ان دیکھی حقیقتیں

مولانا کوثر نیازی

ایوان کمپنی

اَن دیکھی حقیقتیں

توحید رسالت آخرت

Khuda Bakhsh O. P. Library,
Patna.
Acc. No. 9946
Date 23.3.77
Section

تالیف

مولانا کوثر نیازی

ناشر

ایوان کمپنی۔ نخاس کہنہ۔ الہ آباد ۲۱۱۰۰۳

از طبع دوم بعد نظر ثانی معہ ترمیم واضافہ
ناشر: ایوان کمپنی ۶۰ نخاس کہنہ الہ آباد ۲۱۱۰۰۳
مطبع: اسرار کریمی پریس الہ آباد
اہتمام: عیاض احمد
قیمت: تین روپے

انتساب

"غلبۂ دین کی اُن آرزوں کے نام
جو میری زندگی کا حاصل ہیں"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

محترم کوثر نیازی صاحب کی تازہ تصنیف "ان دیکھی حقیقتیں" تبصرہ کے لئے مجھے دی گئی جس میں عقیدۂ توحید، رسالت، آخرت پر بحث ہے، یہی تین چیزیں ہیں جو امام غزالیؒ کی تصریح کے مطابق جمہور امت کے نزدیک اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔

نیازی صاحب نے بہت ہی اچھا کیا کہ اپنی اس تصنیف کو فلسفیانہ موشگافیوں اور کلامی طرز کی بحثوں میں نہیں الجھایا۔ بلکہ قرآن وسنت کے صاف وسادہ طریق سے ان اصولوں کو ذہن نشین کرنے کی سعی فرمائی۔

کتاب کو جستہ جستہ مختلف مقامات سے دیکھ کر میں امید کرتا ہوں کہ مولف سلمہ اپنی سعی میں کامیاب ہیں۔ آج کے جدید ذہن کو اس طرح تفہیم کی ضرورت تھی۔ یہ انشاءاللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت ونجات بنے گی۔

فلسفی اور کلامی موشگافیاں کسی شبہات کے مریض کا علاج تو ہو سکتی ہیں مگر عام انسانی قلب وروح کی غذا نہیں بن سکتیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مسلمانوں اور عام انسانوں کیلئے مفید بنا کر مؤلف سلمہ کیلئے ذخیرۂ آخرت بنائیں۔ (مفتی اعظم پاکستان) محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔

ترتیب

تعارف — صفحہ ۵

توحید

۱. توحید — ۱۱

۲. عقیدۂ توحید عقل کے خلاف نہیں — ۱۳

۳. توحید کا عقلی ثبوت — ۱۶

۴. توحید کی ایک اور دلیل — ۱۹

۵. خدا کی صفات — ۲۱

۶. ایمان باللہ کا اولین تقاضا — ۲۳

۷. خدا کی محبت — ۲۵

۸. خدا کی محبت کا صحیح تصور — ۲۷

۹. توحید پر استقامت — ۲۹

۱۰. حفظ ونشر توحید — ۳۱

۱۱۔ انسانی زندگی پر عقیدۂ توحید کا اثر صفحہ ۳۴

۱۲۔ ایک خدا، ایک انسان، ایک نظام ״ ۴۱

رسالت

۱۳۔ رسالت ״ ۴۶

۱۴۔ رسالت کی ضرورت ״ ۴۸

۱۵۔ سلامتی کا راستہ ״ ۵۰

۱۶۔ انبیاء کی صداقت کی دلیل ״ ۵۲

۱۷۔ نبوت پر امام غزالیؒ کی دلیل ״ ۵۵

۱۸۔ انبیاء کی حیثیت ״ ۵۷

۱۹۔ انبیاء انسان ہوتے ہیں ״ ۵۹

۲۰۔ شرط نجات ״ ۶۲

۲۱۔ تورات اور انجیل کی شہادت ״ ۶۴

۲۲۔ امراض روحانی کا سب سے بڑا طبیب ״ ۶۷

۲۳۔ انسانیت کا سہارا ״ ۷۰

۲۴۔ رسالت محمدیؐ کا ثبوت ״ ۷۳

۲۵۔ قرآن کا اعجاز ״ ۷۶

۲۶۔ اسوۂ حسنہ ״ ۸۰

۲۷۔ رسالت محمدیؐ کی امتیازی حیثیت ״ ۸۵

۲۸۔ اطاعت رسولؐ ״ ۹۱

۲۹ . محبت رسولؐ — صفحہ ۹۹
۳۰ . سنتِ رسولؐ — ″ ۱۰۴
۳۱ . ختم نبوّت — ″ ۱۱۵

آخرت

۳۲ . عقیدۂ آخرت — ″ ۱۲۴
۳۳ . عقیدۂ آخرت کی اہمیت — ″ ۱۲۸
۳۴ . اشکالات کا بنیادی حل — ″ ۱۳۰
۳۵ . سائنس اور عقیدۂ آخرت — ″ ۱۳۲
۳۶ . خسارے میں کون ہے ؟ — ″ ۱۳۶
۳۷ . آخرت کے چند مناظر ـــــ قرآن میں — ″ ۱۳۸
۳۸ . آخرت کے چند مناظر ـــــ حدیث میں — ″ ۱۴۳
۳۹ . خوف آخرت — ″ ۱۴۶
۴۰ . دنیا و آخرت — ″ ۱۵۱
۴۱ . کتابیات — ″ ۱۵۸

توحید

نقطۂ اَدوارِ عالم لَا اِلٰہ

انتہائے کارِ عالم لَا اِلٰہ

چرخ را از زورِ او گردندگی

مہر را پایندگی رخشندگی

بحر گوہر آفرید از تابِ او

موج در دریا تپید از تابِ اُو

(لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ وہ کلمہ ہے جو اس کائنات کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی۔ آسمان اسی کی بدولت گردش کر رہا ہے۔ آفتاب میں چمک بھی اسی کی وجہ سے ہے۔ اسی کی چمک سے موتی پیدا ہوتے ہیں اور اسی کی طاقت سے سمندر کی موجوں میں تڑپ ہے۔)

توحید

دنیا میں خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی انبیاء تشریف لائے ہیں انھوں نے سب سے پہلے انسانوں کو جس بات کی طرف دعوت دی وہ یہ تھی کہ۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِیَّاہُ "اس مالک حقیقی کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو"

آسمانی تعلیمات کا یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جسے ہر نبی اور رسول کے پیغام میں اصل الاصول کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب جیل میں تبلیغ دین کا موقع ملا تو جیل کے ساتھیوں کو انھوں نے سب سے پہلے جو حیات افروز سبق دیا وہ یہ تھا۔

یَا صَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَہَّارُ ط

اے میرے جیل کے ساتھیو! کیا یہ مختلف اور متعدد جھوٹے خدا اس اکیلے طاقت والے خدا سے بہتر ہو سکتے ہیں۔

حضرت شعیبؑ اور حضرت ہودؑ نے قوم کو پکارا تو انکی سب سے پہلی پکار یہ تھی

یَاقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ حضرت نوحؑ مبعوث ہوئے تو ان کا اوّلین پیغام یہ تھا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوْہُ وَاَطِیْعُوْنِ "اسی کی بندگی کا خوف اور اسی کی اطاعت"۔ یہ وہ لازوال حقیقت تھی جسے اجاگر کرنے کے لئے انبیاء کرام کی بعثت ہوئی۔

اور یہ وہ لازوال حقیقت ہے جو آدمی کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے۔ معدودے چند افراد کے سوا ہر دور میں خدا کا تصور اکثریت کا عقیدہ رہا ہے۔ دنیا بہت کچھ بھولتی رہی۔ شرافت بھول گئی۔ شرم وحیا کو فراموش کر بیٹھی۔ انسانیت کا بنیادی جوہر ہاتھ سے دے بیٹھی لیکن خدا کا خیال اور خدا کا اعتماد اس کے دل و دماغ سے محو نہ ہو سکا۔ یہ صحیح ہے کہ منکرین اور ملحدین بھی ہر زمانہ میں نظر آتے ہیں لیکن توحید کو اس کے باوجود فطرت کی لازوال حقیقت اس لئے کہا جاتا ہے کہ چند سر پھرے لوگوں کے انکار کی وجہ سے سورج کی طرح یہ چمکتی ہوئی سچائی جھوٹ میں تبدیل نہیں ہو سکتی۔ چند بیمار اگر اپنے مُنہ کی کڑواہٹ اور ذائقہ کی خرابی کے باعث ایک لذیذ کھانے کو بدمزہ سمجھنے لگیں تو ہم کھانے کی لذت کا انکار کرنے کی بجائے ان کو بیمار سمجھ کر درخور اعتنا نہیں سمجھیں گے بعینہٖ اسی طرح آج یا آج کی طرح ہر دور کے روحانی بیمار اگر خدا کے وجود کا انکار کرتے ہیں تو یہ بات خود ان کے بطلان کی دلیل ہے اس سے عقیدۂ توحید کی صداقت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

یہ بات کہ توحید انسانی فطرت کی آواز ہے قرآن حکیم کے بیان کردہ اس واقعہ سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ روز ازل جب انسان کی تخلیق ہوئی تو سب سے پہلا

جو سوال نسل انسانی سے کیا گیا وہ یہ تھا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں قَالُوْا بَلٰی شَہِدْنَا انھوں نے جواب دیا بے شک ہے ہم گواہی دیتے ہیں۔ قرآن کریم آگے چل کر بیان کرتا ہے کہ یہ اقرار بنی نوع انسان سے اس لئے کرایا گیا کہ کہیں آگے چل کر وہ یہ عذر نہ کرے کہ اس حقیقت کی اُسے خبر نہ تھی۔

یہ ہے توحید کا عظیم الشان عقیدہ جس کا اقرار ہمارے خمیر میں شامل ہے جسے تمام انبیاء نے فطرت کا نقیب ہونے کی حیثیت سے اپنے اپنے عہد میں تازہ کیا۔ جس کے لئے روزِ ازل ہم نے اپنے مالک حقیقی سے پیمان وفا باندھا ـــــ کتنی دردناک ہے یہ بات کہ آج زمانہ پھر فطرت کی اس لازوال حقیقت سے صرفِ نظر کرکے تباہی کو دعوت دے رہا ہے اور ہم مسلمان جو "توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے" کا نعرہ بلند کرنے والے تھے۔ آج خود توحید حقیقی کا دامن ہاتھ سے چھوڑے دے رہے ہیں۔

فطرت کا وہ پیمان وفا یاد نہیں ہے
فریاد کہ دنیا کو خدا یاد نہیں ہے

عقیدۂ توحید عقل کے خلاف نہیں

توحید کی بات کی جائے تو ایک فلسفہ زدہ ذہن کے اندر معًا یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ آخر ایک ایسی ہستی کو کس طرح تسلیم کر لیا جائے جس کے متعلق مذہب کا ادّعا یہ ہے کہ وہ ازل سے ہے اور ابد تک قائم رہے گی۔ انسان کے دماغ میں

جب کبھی پیدا ہو جائے تو وہ عقیدۂ توحید کو خلاف عقل ٹھہرا کر ٹھکرانے پر تیار ہو جاتا ہے۔ امام مجدد الف ثانیؒ نے اسی شیطانی وسوسہ کو دور کرنے کے لئے ایک بڑا حکیمانہ نکتہ ارشاد فرمایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عقیدۂ توحید خلافِ عقل نہیں بلکہ مافوق العقل ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ حقیقت انسانی عقل اور تخیل کے زور سے باہر اور اس سے وراء الوراء ہے۔ ایک حیوان کو اگر یہ معلوم ہو کہ انسان فضاؤں میں اڑتا اور ہواؤں میں پرواز کرتا ہے تو یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ لیکن اگر وہ محض اس بنا پر کہ یہ امر واقعہ اس کی حدودِ عقل سے باہر ہے اسے جھٹلانے پر اور اسے خلافِ عقل قرار دینے پر تیار ہو جائے تو ہم یہ کہہ کر آگے گذر جائیں گے کہ دراصل یہ بات اس بے چارے کی عقل میں سما ہی نہیں سکتی۔ خود انسانی ایجادات کا معاملہ لے لیجئے۔ آج سے دو سو سال پہلے جو چیزیں ناممکنات کے زمرہ میں شامل تھیں۔ آج انھیں وقوع پذیر ہوتا دیکھ کر ہمیں کوئی حیرت نہیں ہوتی۔ لیکن فرض کیجئے اگر آج سے ایک دو صدی پیشتر لوگوں کو یہ بتایا جاتا کہ ایک ذرّے میں اتنی طاقت ہے کہ اس سے بارہ میل مربع رقبہ کے ایک شہر کو آناً فاناً تباہ و برباد کیا جا سکتا ہے۔ دس ہزار اشخاص فوراً بخارات میں تبدیل ہو سکتے ہیں اور ایک لاکھ چھبیس ہزار افراد اس کے دھماکوں سے لقمۂ اجل ہو سکتے ہیں تو ان کا ردِّ عمل کیا ہوتا۔ وہ یہی تو کہتے کہ یہ بات عقل کے خلاف ہے اور ہم اسے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں لیکن کیا ان کے اس قول کی بنا پر ایٹم بم کی تباہ کاریوں اور ہلاکت خیزیوں سے انکار کیا جا سکتا ہے اور کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایٹم کی یہ طاقت خلافِ عقل اور خلافِ علم و دانش ہے۔ خود اس

دنیا میں جو واقعات روزمرّہ ہمارے مشاہدے میں آتے ہیں اور جن پر غور کرنے کی کبھی ہم نے ضرورت محسوس نہیں کی۔ تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیجئے کہ وہ ہمارے مشاہدے میں نہ آتے اور ہم سے ان کا ذکر کیا جاتا تو ہمارا ردّ عمل کیا ہوتا۔ مثال کے طور پر درخت اُگنے کا منظر ہمارے سامنے نہ ہوتا اور کوئی ہم سے یہ کہتا کہ ایک ننھا سا بیج زمین میں ڈال دیا جائے تو چند دنوں کے بعد وہ بیج زمین کا سینہ پھاڑ کر ہیئت تبدیل کر کے باہر نکل آتا ہے پھر ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرتا ہے۔ پھل دیتا ہے اس کی لکڑی جلانے کے کام آتی ہے اور لوگ اس کے سائے میں بیٹھ کر سستاتے ہیں تو ہم کیا سوچتے؟ یہی نا کہ یہ سب باتیں بے عقلی کی ہیں اور ہم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں، لیکن کیا ہمارے اس طرزِ عمل سے نفسِ واقعہ کو جھٹلایا جا سکتا ہے؟ پس حقیقت یہ ہے کہ جو باتیں، نادان عقل کے دائرہ کار ہی سے باہر ہیں ان کے متعلق جھٹ خلافِ عقل بات ہونے کا فتویٰ صادر کر دینا خود بے عقلی کی دلیل ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے حکیم اور عاقل انسان نے ہمیں یہی حکم دیا ہے کہ ہم توحید کے مسئلہ کو عقلی موشگافیوں سے بلند اور بالا سمجھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابوہریرہؓ اس کے راوی ہیں۔

"یَاْتِی الشَّیْطَانُ اَحَدَکُمْ فَیَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ کَذَا مَنْ خَلَقَ کَذَا۔ حَتّٰی یَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ رَبَّکَ فَاِذَا بَلَغَ ذٰلِکَ فَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰہِ وَ لْیَنْتَہِ"

"شیطان تمھارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے یہ چیز کس نے پیدا کی یا یہ چیز کس نے بنائی ؟ یہاں تک کہ کہتا ہے اچھا تو تمھارے پروردگار کو کس نے پیدا کیا ؟ جب یہاں تک نوبت پہنچے تو خدا کی پناہ لینا چاہئے اور اس کے ساتھ سوال و جواب کا سلسلہ ختم کر دینا چاہئے۔"

اس لئے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے فرمایا

"پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کے لئے اپنی پہچان کا راستہ اسکے سوا اور کچھ بتایا ہی نہیں کہ لوگ اس کی معرفت سے عاجز ہیں۔"

تو دل میں تو آتا ہے نظر میں نہیں آتا
میں جان گیا بس تری پہچان یہی ہے

(اکبر الہ آبادی)

توحید کا عقلی ثبوت

عقل کو اگر بے عقلی سے استعمال نہ کیا جائے اور ان حدود کے اندر اس سے راہ نمائی حاصل کی جائے جو فاطرِ کائنات نے اس کے لئے مقرر کر دیئے ہیں تو کوئی پیچیدگی پیدا نہیں ہوتی اور آدمی خود عقل کی روشنی میں صاف صاف اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ توحید الوہیت کا عقیدہ فی الواقع فطرتِ انسانی کی آواز ہے۔ یہی وہ پابند حدود عقل تھی جو

حضرت ابن عباسؓ نے برتی تو اس نے انہیں اس نتیجے پر پہنچایا کہ مخلوقات کا سلسلہ ضرور کہیں نہ کہیں جا کر خالق پر ختم ہونا چاہئے۔ پھر جس سے پہلے اور جس کے بعد کوئی نہ ہو وہی اول و آخر خدا کی ذات ہے اس کے لئے پھر خالق کا تصور کرنا موجب تسلسل ہے اور علل میں یہ تسلسل واضح طور پر عقل کے خلاف ہے (ترجمان السنۃ جلد اول)

حقیقت یہ ہے کہ عقل صحیح معنوں میں جلا ہی تب پاتی ہے جب وہ اپنے عجز اور درماندگی کا اعتراف کر کے اس خدائے بزرگ و برتر کے آگے سپر ڈال دے جو عقل بے مایہ کی ہر پرواز کی زد سے باہر ہے۔ اقبال مرحوم نے خوب کہا۔

در جہان کیف و کم گردید عقل — پے بہ منزل برد از توحید عقل
ورنہ ایں بے چارہ را منزل کجاست — کشتیٔ ادراک را ساحل کجاست

(عقل کیسا اور کتنا کی دنیا میں بہت گھومی پھری۔ منزل پر وہ توحید کی مدد سے ہی پہنچی ورنہ اس بے چاری کی منزل اور اس کی ناؤ کو کنارا کہاں ہے)

یوں عقل جب اپنا دائرہ عمل مشخص کر کے سرگرم تفکر ہوتی ہے تو اسے کائنات کا ذرہ ذرہ زبانِ حال سے توحید کی شہادت دیتا نظر آتا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ سے ایک ملحد نے سوال کیا تھا کہ خدا کے وجود کی دلیل کیا ہے، انھوں نے فرمایا یہ سامنے والا شہتوت کا درخت، وہ حیران ہو کر بولا کس طرح؟ حضرت امام رح نے کہا اس کے پتے دیکھو بظاہر کتنے حقیر نظر آتے ہیں لیکن ان کی گوناگوں خاصیتوں پر نگاہ ڈالی جائے تو انسان ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ ان پتوں کو ہرن کھاتا ہے تو یہ مشک بن جاتے ہیں۔ مکھی کھاتی ہے تو شہد بن جاتے ہیں۔ کیڑا کھاتا ہے تو ریشم بن جاتے ہیں اور انہی پتوں کو جب بکری کھاتی

ہے تو یہ مینگنیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ ان حقیر پتوں میں یہ متنوع خصوصیات آپ سے آپ آ گئی ہیں اور کوئی ان کا پیدا کرنے والا نہیں ہے ؟

سبحان اللہ! حضرت امام شافعیؒ نے توحید کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے کیا خوبصورت رستہ تجویز کر دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان اگر حیرت کدۂ کائنات کے اسرار و غوامض کا تصور کرے تو اس کی عقل بے اختیار پروردگار عالم کے حضور سر بسجود ہو جاتی ہے۔ لوگ سائنس دانوں کی عقلیت کا دم بھرتے ہیں تو ذرا انہی سے دریافت کر لیں کہ اس کائنات کی بوقلمونیوں کا عالم کیا ہے ۔ سائنس ہی نے یہ بتایا ہے کہ یہ زمین جس کے گوشے گوشے کو چاند اور سورج اپنی روشنی سے منوّر کر دیتے ہیں۔ ہم سے علی الترتیب دو لاکھ چالیس ہزار نو کروڑ ۹۳ لاکھ میل دور ہیں ایسے ستارے بھی موجود ہیں۔ جن کی روشنی اس ظلمت کدۂ عالم میں سوا چار سال میں پہنچتی ہے۔ حالانکہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔ یہ ان ستاروں کا حال ہے جو سورج اور چاند کے بعد ہم سے سب سے زیادہ قریب ہیں سائنس بتاتی ہے کہ بعض ستارے ایسے بھی ہیں جن کی روشنی کہیں کروڑوں سال کے بعد دنیا تک پہنچ پائی ہے اور کتنے ستارے ایسے ہیں جن کی روشنی آج تک دنیا میں پہنچ ہی نہیں سکی۔ حالانکہ وہ اس وقت سے سرگرم سفر ہیں۔ جب سے یہ کائنات وجود میں آئی ہے ۔ یہ وسیع و عریض کارخانۂ قدرت جب انسان کے سامنے آتا ہے۔ تو اس کا سر بے اختیار خدائے واحد کی کبریائی کے آگے جھک جاتا ہے۔ اور اس کا دل بے ساختہ

پکار اٹھتا ہے ۔ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ۔

توحید کی ایک اور دلیل

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک دفعہ ملحدین کا ایک گروہ پیش کیا گیا جو بغرض قتل گرفتار کر کے لایا گیا تھا۔ حضرت امامؒ نے ان سے سوال کیا اگر کوئی شخص تمہارے سامنے یہ بیان کرے کہ میں نے ایک ایسی کشتی دیکھی ہے جو بغیر ملاح کے دریا کے ایک کنارے کا سامان دوسرے کنارے پر پہنچا رہی ہے تو تم اس شخص کے متعلق کیا رائے قائم کرو گے ؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم میں سے کوئی بھی اس بات کو باور کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا اور ہم اسے بالکل خلافِ عقل تصور کریں گے ۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا تو پھر تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تم ایک خود بخود چلنے والی کشتی کا تو تصور نہیں کر سکتے اور اس اتنے بڑے کارخانۂ عالم کے متعلق تمہارا خیال یہ ہے کہ یہ بغیر کسی خالق کے آپ سے آپ سرگرمِ کار ہے ملحدین کے سامنے جب یہ لازوال دلیل آئی تو وہ سب کے سب الحاد سے تائب ہو گئے اور حضرت امامؒ کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے ۔

آج کے اس دورِ الحاد پرور میں انسانوں نے فضاؤں میں تیرنا تو سیکھ لیا ہے مگر یہ انسانیت کی کتنی بدقسمتی ہے کہ بعض بے حد سادہ اور پیش پا افتادہ حقیقتیں

ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی ہیں۔ شاید ہی کوئی شخص کسی گھر کا گھر والے کے بغیر، کسی باغ کا مالی کے بغیر اور کسی گھڑی کا گھڑی ساز کے بغیر تصوّر کر سکتا ہو۔ ہم سب مانتے ہیں کہ کوئی صنعت صانع کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی مگر بڑے بڑے فضلائے عصر اس دنیائے رنگ و بو کے خود کار ہونے پر دلیلیں گھڑتے ہیں اور ان کے دامنِ علم و فضل پر کوئی داغ نمایاں نہیں ہونے پاتا۔

مولانا رومؒ نے اسی دلیل کو بڑی عمدگی سے پیش فرمایا ہے کہتے ہیں:

تن بجاں جُنبد نمی بینی تو جاں　　لیک از جنبیدنِ تن جاں بداں

(جسم کا یہ چھوٹا سا کارخانہ روح کے بل پر کام کر رہا ہے مگر روح نظر نہیں آتی ہم اسے جسم کی حرکت اور زندگی سے شناخت کرتے اور اسی چیز کو روح کے وجود کی دلیل ٹھہراتے ہیں۔)

پس یقین در عقل ہر دانندہ است　　ایں کہ با جنبیدہ، جنبائندہ است

(ہر دانش مند اسے ایک ثابت شدہ حقیقت سمجھتا ہے کہ جو چیز حرکت کر رہی ہے ضرور کوئی نہ کوئی طاقت اس کے پس پردہ کارفرما ہے۔)

روح ہمیں نظر نہیں آتی مگر ہم اسے جسمانی زندگی کے مظاہر سے شناخت کر لیتے ہیں، عقل کا کوئی ٹھوس وجود نہیں ہے مگر ہم بعض علامات سے عقل اور بے عقلی کو مشخص کرتے ہیں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اسی طرح خدا بھی نظر نہیں آتا۔ اور ہم اسے اپنی مادی آنکھوں سے دیکھنے کے متحمل نہیں ہیں مگر کائنات کے یہ گونا گوں مظاہر پکار پکار کر اس کے جلال و جبروت اور اس کی ہیئت و قدرت کی شہادت دے رہے ہیں اور یہی اس کی ہستی کی بیّن اور روشن دلیل ہے۔

خدا کی صفات

آپ ایک ٹائم پیس کو اٹھا کر دیکھیں اس میں چھوٹے بڑے لاتعداد کل پُرزے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہو کر کام کرتے ہیں آپ کا دماغ اس نازک مشینری کو دیکھ کر دنگ رہ جائے گا اور سب سے پہلا تاثر آپ یہ قبول کریں گے کہ اس ٹائم پیس کو جس شخص نے بنایا ہے وہ بڑا ہی کاریگر اور اپنے فن میں بڑا ہی ماہر ہے آپ ایک لحظہ کے لئے بھی یہ نہیں سوچیں گے کہ اس کا بنانے والا کوئی بے شعور اور بے حس کاریگر ہو سکتا ہے۔ اس مثال کو سامنے رکھ کر آپ اپنے اردگرد پھیلی ہوئی کائنات پر نگاہ ڈالئے نیرنگیٔ قدرت کا نظارہ کیجئے اور پھر تھوڑی دیر کے لئے سوچ کر بتائیے آپ کا دل کیا گواہی دیتا ہے کیا یہ کہ اس دنیا کو معرضِ وجود میں لانے والی ہستی خاکم بدہن کوئی اندھی بہری اور گونگی ہستی ہے یا وہ کمال اور جمال کی جملہ صفات سے آراستہ ہے؟ میرا خیال ہے کہ ہر سوجھ بوجھ رکھنے والا آدمی اس بات سے اتفاق کرے گا کہ اس کائنات کا خالق تمام تر صفت اور تمام تر خوبی ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے خدا کے وجود اور اس کی صفات پر گفتگو کرتے ہوئے ایک خوب بات فرمائی انھوں نے فرمایا کہ ابتدائے آفرینش سے اب تک جتنے انسان پیدا ہوئے ہیں۔ ان کی تعداد شمار سے باہر ہے لیکن یہ عجیب ماجرا ہے کہ ہر انسان

کا چہرہ دوسرے انسان سے کسی نہ کسی حیثیت میں مختلف ہے ـــــ انسانی چہرہ جس میں لب و رخسار اور چشم و دندان نظر آتے ہیں ایک چھوٹی سی چیز ہے لیکن خالقِ کائنات ہر چہرہ کے اندر کوئی نہ کوئی ایسی امتیازی شان پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ دوسرے انسان سے بآسانی متمیز ہو سکتا ہے جس خالق کی قدرت اور طاقت اور حسنِ تخلیق کا یہ عالم ہو عقل انسانی اس کی بے حد و حساب صفتوں کا کیا اندازہ لگا سکتی ہے تا آنکہ وہ خود ہی ان کو بیان نہ فرمائے۔

بعض مذاہب اور فلسفے جس خالق کو مانتے ہیں ان کے نزدیک نظامِ عالم سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اس نے سب کچھ یا تو اپنے چند مقرب بندوں کو سونپ رکھا ہے یا چند دیوتا مقرر کر دیئے ہیں جو دنیا کے مختلف شعبوں کی نگرانی کر رہے ہیں لیکن آدمی کچھ بھی غور کرے تو ایک ذرہ سے لے کر خورشید درخشاں تک اُسی ایک کی یکتائی نظر آتی ہے۔

"لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں"

اس لئے ہے کہ یہ سارا کارخانہ براہِ راست اس ایک خدا کی مرضی اور مشیت کے تحت چل رہا ہے ورنہ عناصر کا یہ حیرت انگیز توافق باہمد گر ایک دوسرے کو اپریشن ہو رج کے طلوع و غروب کا نظام گردشِ لیل و نہار بادوباراں کے کرشمے اور برق و خرمن کی آویزش کے مظاہرے ایک لمحہ کے لئے بھی قلب انسانی کو حیرت و مسرت کے ملے جلے جذبات سے معمور نہ کرتے۔

ہم خدا کو نہیں دیکھ سکتے لیکن اس کی رحمت اور ربوبیت کا ہر آن مشاہدہ کر سکتے ہیں اس کی بے پناہ طاقتوں کی جھلکیاں دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے جلوہ ہائے

حکمت و قدرت سے ہر گھڑی ہماری آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں ـــــ پس دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم مجرد ایک طاقت کی پرستش نہ کریں بلکہ خالق کی ان ساری صفتوں پر ایمان لائیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں اور جو شب روز نوع انسانی پر پرتو فگن ہیں. اسی طرح ہم اس سے اپنا صحیح تعلق استوار کر سکتے ہیں اور اسی سے ہمارے دل میں اسکی محبت اور اس کا خوف پیدا ہو سکتا ہے۔

ایمان باللہ کا اوّلین تقاضا

توحید کے معاملے میں اسلام انسانوں کو صرف یہیں لاکر نہیں چھوڑ دیتا کہ وہ عقلی طور پر خدا کے وجود پر مطمئن ہو جائیں اور شک و شبہ کا کوئی کانٹا انکے دل و دماغ میں کھٹک پیدا نہ کرے بلکہ وہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ مطالبہ پیش کرتا ہے کہ جب تم دنیا کی اس سب سے بڑی سچائی پر ایمان لے آئے تو اب تمھارا فرض یہ ہے کہ اپنی زندگی کے کسی لمحہ میں بھی اس حقیقتِ عظمیٰ کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دو تم جہاں ہو جس حال میں ہو یہ عقیدہ تمھارے ذہن میں تازہ رہنا چاہیئے کہ تم ایک آقا کے بندے اور ایک مالک کے غلام ہو۔ اور اس کی اطاعت اور وفاداری کا عہد کر چکے ہو. توحید پر ایمان لانے والے افراد کی مثال ایک پیاسے کی ہونی چاہیئے کہ وہ جس کام میں بھی مشغول ہو پانی کا تصور اس کے ذہن سے اوجھل نہیں ہونے پاتا۔ اسی طرح ایک موحد بھی بظاہر

ایک دوکان پر بیٹھ کر گاہکوں کو سودا دے رہا ہوتا ہے اور کسی دفتر میں ملازمت کے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہوتا ہے لیکن اس وقت بھی درحقیقت اس کے رگ و ریشہ میں خدا کا تصور اور اسی کا ذکر جاری و ساری ہوتا ہے وہ دنیا کے دھندوں میں الجھ کر بھی اپنے آقا و مولا کی اطاعت سے غافل نہیں ہوتا۔ یہی وہ کیفیت ہے جسے "دل بہ یار اور دست بکار" سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہی وہ مقام عبدیت ہے جو صوفیاء کے نزدیک "خلوت در انجمن" کے نام سے مطلوب اور محبوب ہے۔ قرآن حکیم نے بھی کہا۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ

"وہ لوگ کہ جنہیں خرید و فروخت اور سوداگری خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی دراصل وہی لوگ ہیں جو ایمان باللہ کی باریکیوں اور نزاکتوں کے صحیح معنی میں رمز آشنا ہیں"

ہمہ وقت عقیدۂ توحید کو تازہ رکھنے کی ضرورت اور اہمیت بلکہ فرضیت احادیث نبوی سے ثابت ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "افضل الذکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" قولی ذکر تو یہ ہے کہ ہم زبان سے بار بار خدا کی حمد و تسبیح کریں اٹھتے بیٹھتے وہ کلمات دہرائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائے ہیں اور عملی ذکر یہ ہے کہ ہم چوبیس گھنٹوں میں ہر لمحہ اپنی عادات و اطوار، مشاغل و معاملات، پسند اور ناپسند اور جملہ اقوال و افعال میں خدا کی بندگی اور غلامی کو پیش نظر رکھیں اور اپنی سیرت و کردار کے جملہ پہلوؤں کو ذکر کے نور سے منور کر دیں۔ اپنے بال بچوں میں دوکان پر، درس گاہ میں اور حکومت کی کرسی پر ہر جگہ ہم اپنے عمل سے

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی حقیقت کو تازہ کرتے رہیں۔ حتّٰی کہ یہ عقیدہ ہمارا جزوِ عمل بن جائے کہ

ہر وہ لمحہ ہے مرا، کفر میں شامل اے دوست
دل تری یاد سے جس میں ہو اغافل اے دوست

خدا کی محبّت

دوسرے عقائد و تصورات کے معاملے میں صرف دماغی طور پر مطمئن ہو جانا کافی سمجھا جاتا ہے کوئی شخص عقلی طور پر کمیونزم یا سوشلزم کا قائل ہو جائے تو یہی چیز اسے کمیونسٹ یا سوشلسٹ بنانے کے لئے کافی ہے لیکن اسلام نے عقیدۂ توحید کے جو لوازمات ہمارے سامنے پیش کئے ہیں ان کی رو سے دماغ ہی کو نہیں دل کو بھی اور اعضاء و جوارح ہی کو نہیں روح کو بھی اس سرور و کیف سرمدی سے سرشار بنانا ضروری ہے۔ جب تک توحید کا اعتقاد ایک مسلم کے دل میں جذبہ کی شکل اختیار نہ کرے اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن مسعود کا یہ قول الیقین الایمان "کلمہ الیقین ہی ایمان کی روح ہے" دراصل اسی کیفیت کا ترجمان ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ ہم اپنے ایمان کی تعمیر دلائل سے زیادہ یقین کی بنیاد پر کریں جب ہمیں توحید پر یقین حاصل ہو جائے گا تو اسکے لئے دلائل آپ سے آپ ہمارے سامنے آتے جائیں گے۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی نے

صحیح فرمایا کہ دلیل و برہان کی بنیاد پر حاصل ہونے والا ایمان قابلِ اعتماد نہیں ہوتا کیونکہ وہ دلیل کے ساتھ گھومتا رہتا ہے ـــــ دلائل پرست کا ایمان کبھی خطرات سے بے خطر نہیں ہو سکتا ـــــ یقین کی دولت اسی وقت ہاتھ آتی ہے جب آدمی دماغی طور پہ ہی نہیں قلبی طور پر عقیدۂ توحید کی تصدیق کرے اور خدا کو مانے ہی نہیں بلکہ اس سے دنیا کی تمام چیزوں سے بڑھ کر محبت کرے، قرآن میں ایمان والوں کو جو صفتیں بیان ہوئی ہیں ان میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ۔" وہ خدا سے سب سے بڑھ کر محبت کرنیوالے ہوتے ہیں"۔

بعض لوگوں کے نزدیک محبت شاید یہ ہے کہ انسان ترکِ دنیا کر کے کسی گوشہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا شروع کر دے اور بیوی بچوں کو کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ چھاڑ کر فرار کی راہ اختیار کرے۔ یہ محبت نہیں بلکہ احکامِ خداوندی سے انحراف ہے اور جو شخص اس کا مرتکب ہوتا ہے۔ وہ یقیناً خدا کے نزدیک سزا کا مستوجب ہے اسلام یہ نہیں چاہتا کہ ہمارے دل میں بیوی بچوں کی محبت سرے سے ہی نہ ہو یا ہم کاروبارِ دنیا میں مشغول ہی نہ ہوں۔ امام ابن تیمیہؒ نے خوب فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام تبدیلِ فطرت کے لئے نہیں بلکہ تکمیل فطرت کے لئے تشریف لائے ہیں اگر محبت الٰہی کا یہ مفہوم صحیح قرار دیا جائے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اپنی فطرت کے خلاف اعلان جنگ کرنے کے لئے ابھارا جائے۔ پس حقیقت میں محبت اس کو نہیں کہتے۔ محبت یہ ہے کہ ہم دنیا میں رہیں۔ بیوی بچوں کے حقوق ادا کریں۔ تمام فطری علائق سے متعلق رہیں مگر جب خدا کی محبت اور ان چیزوں کے درمیان کسی ایک کو ترجیح دینے کا سوال پیدا ہو تو ہم دنیا کے سارے تعلقات

اور دنیا کی ساری رشتہ داریوں اور دوستیوں کو خدا کے رستے میں قربان کر دیں۔ زندگی جیسی محبوب متاع سے اگر اس کے نام پہ ہاتھ اٹھانا پڑ جائیں تو ہمیں اس میں بھی تامل نہ ہو اور خدا کی راہ میں جان دے دینے کے بعد بھی ہمارے احساسات کا عالم یہ ہو کہ

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

خدا کی محبّت کا صحیح تصوّر

خاتم الانبیا، سید البشر آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے بڑھ کر کس کو خدا سے محبت ہوگی لیکن وہ تجارت بھی کرتے تھے بیوی بچے بھی رکھتے تھے۔ دنیا کی جائز لذتوں اور راحتوں سے متمتع بھی ہوتے تھے اور اس کے باوجود انہیں خدا کی محبت کا وہ بلند مقام حاصل تھا جس پر آسمان کے فرشتے بھی رشک کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی محبت دوسری تمام محبتوں کی نقیض نہیں ہے اس کا تقاضا فقط یہ ہے کہ دوسرے تمام تعلقات اس کے تحت ہوں۔ وہ جس تعلق کو جوڑنے کا حکم دے اسے جوڑا جائے اور جس تعلق کو توڑنا چاہے اسے توڑ دیا جائے۔ ایک آدمی اس طرح جب خدا کے اذن اور فرمان کے تحت بیوی بچوں سے محبت کرتا ہے۔ کوئی دوکان کھولتا یا کھیتی

باڑی کرتا ہے تو اس کے یہ سب کے سب کام خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوتے ہیں اور ان میں ایک ایک صَرف شدہ لمحہ حاصل محبت قرار پاتا ہے۔

بیٹے سے محبت کرنا اسی نے سکھایا ہے۔ اس کے لئے جو حد اس نے مقرر کردی ہے اگر آپ اس کی پابندی کریں تو مستحق اجر ٹھہریں گے۔ بس اس کا مطالبہ اتنا ہے کہ بیٹے کی یہ محبت خدا کے رستے میں حائل نہیں ہونی چاہئے بلکہ وہ حکم دے تو اپنے ہاتھ سے بیٹے کی گردن پر چھری چلانے کے لئے بھی تیار ہو جانا چاہئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہمارے سامنے ہے۔ بڑھاپے میں انہیں اسمٰعیل علیہ السلام جیسا فرزند عطا ہوا۔ خلیل اللہ کو اس مایۂ ناز فرزند سے جو محبت ہو سکتی ہے۔ اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جب بارگاہِ الٰہی سے اشارہ کیا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنے ہاتھوں بیٹے کی گردن پر چھری چلادی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ان کے صاحبزادے نے ان سے عرض کی ابا جان! حالت کُفر میں ایک دفعہ میں کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا کہ اثنائے جنگ میں آپ میرے سامنے آگئے میں چاہتا تو آسانی سے آپ پر ہاتھ اٹھا سکتا تھا لیکن باپ کی حیثیت سے آپ کا مقام نظر میں پھر گیا اور میں اپنے ارادہ سے باز آگیا۔

حضرت صدیق اکبرؓ فرمانے لگے۔ بیٹا! تم نے تو مجھے باپ سمجھ کر چھوڑ دیا لیکن میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم میرے سامنے آجاتے تو میں تلوار سے تمہاری گردن اڑا دیتا۔

یہی وہ مقام ہے جس پر فائز ہونے کے بعد ایک بندۂ موحد خود خدا کا

محبوب بن جاتا ہے اور حدیث نبویؐ کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کی آنکھ اس کی زبان اس کے ہاتھ اور اس کے پاؤں بن جاتا ہے۔ وہ وہی کچھ دیکھتا، بولتا اور کرتا ہے جو خدا کی رضامندی اور پسند کے عین مطابق ہو۔

توحید پر استقامت

عقیدۂ توحید کے سلسلے میں ایک اور لازمی شرط استقامت کی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی اس رستے میں آنے والی تمام تکلیفوں اور مصیبتوں پر ثابت قدمی دکھائے اور حالات کی سنگینی اور نزاکت کے باوجود اس کے اطمینان اور یقین میں کمی واقع نہ ہو بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید توحید کا اقرار کر لینا ایک آسان کام ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ منزل ہے جس پر پہنچنے کے لئے "شرط اول قدم این است کہ مجنوں باشی" کا نقطۂ نظر بہت ضروری ہے۔

آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ کلمۂ توحید کے دو اجزا ہیں۔ سب سے پہلا جزء نفی کا ہے یعنی کوئی خدا نہیں اور دوسرا اثبات کا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے"

جب آدمی پورے شعور کے ساتھ ماسوا اللہ خدائی کا انکار کرتا ہے۔ تو اس کے ارد گرد "اَنَا وَلَا غَیْرِیْ" کا ڈنکا بجانے والے تمام جھوٹے خدا بپھر جاتے ہیں۔ اور وہ اسے ہر ممکن طریقے سے جادۂ راستی سے ہٹانے کی کوشش

کرتے ہیں۔ برادری الگ طیش میں آجاتی ہے جب اس کے غلط رسم ورواج پر ضرب پڑتی ہے۔ چوہدری الگ درپے آزار ہوجاتے ہیں جب ان کے حلقۂ اطاعت سے نکلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ غلط نظامِ حکومت ایسے باغی کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا اور اس اعلان کے بعد سب سے بڑھ کر خود انسان کا اپنا نفس ایمان کا ڈاکو بن جاتا ہے اور قدم قدم پر ایک بندۂ مسلم کو شکست دینے کی کوشش کرتا ہے۔ غرضیکہ ایک غلط ماحول میں توحید پر ایمان لانے والا شخص اپنے آپ کو انسانوں کی بجائے جنگل کے درندوں میں گھرا ہوا محسوس کرتا ہے اور اس کی ساری زندگی ایک مستقل امتحان اور آزمائش میں تبدیل ہوجاتی ہے۔

توحید کے رستے میں یہ سارے مرحلے "نفی" کے جزو کا لازمی نتیجہ ہیں۔ آپ ان سے گذر کر ہی اثبات تک پہنچ سکتے ہیں۔ شرک سے پوری طرح پاک وصاف ہونے کے بعد ہی توحید کامل کی منزل آئے گی اور شرک سے بچنے کیلئے ان آزمائشوں اور امتحانوں کا سامنا کئے بغیر چارہ نہیں۔ اقبال مرحوم نے ٹھیک کہا تھا۔

چو می گویم مسلمانم بلرزم کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

(جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو میں کانپنے لگتا ہوں۔ کیونکہ میں "لا الٰہ الا اللہ" کی راہ میں آنے والی مشکلوں سے واقف ہوں۔)

خود آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کے ساتھ ساتھ استقامت کا ذکر کیا ہے صحیح مسلم میں حضرت ابو عمرۃ رضؓ سفیان بن عبداللہ سے روایت ہے کہ

"قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْ لِيْ فِي الْاِسْلَامِ قَوْلاً لَا اَسْئَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَكَ قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ "

(مُسْلِم)

میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھ کو اسلام کے بارے میں ایسی بات بتلا دیجئے کہ میں پھر کسی سے نہ پوچھوں آپ نے فرمایا قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ کہو میں اللہ پر ایمان لایا اور اس کے بعد ثابت قدم رہو۔

قرآن مجید میں اسی بات کو یوں فرمایا گیا :-

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ، اُولٰئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ، جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ (احقاف ع ۳) .

"انھوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ پھر ثابت قدم رہے تو نہ ان کو خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہی لوگ جنّت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اس کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے "

حفظ و نشر توحید

توحید کے تقاضے یہیں آکر ختم نہیں ہوجاتے کہ ایک آدمی خود اپنی ذات کی حد تک ان پر عمل پیرا ہوجائے اور یہ سمجھے کہ بس میرے خدا کو یہی کچھ مطلوب تھا، اور مجھ پر جو فرائض عائد ہوتے تھے وہ ادا ہوگئے جو شخص یہ سمجھتا ہے وہ ابھی توحید کی منزل حقیقی سے کوسوں دور ہے۔ اسلام صرف اسی بات پر مطمئن نہیں ہوجاتا

وہ اور آگے بڑھتا ہے اور یہ مطالبہ کرتا ہے کہ جب تم خود ایمان لا چکے تو اب تمہارا فرض یہ ہے کہ دوسروں کو بھی اس سرچشمۂ فیض سے سیراب ہونے کی تلقین کرو۔

لوگوں کو خالق کائنات کی بندگی پر ابھارو اور جب تک دنیا میں کفر و شرک کے پرچم سرنگوں نہ ہو جائیں تم توحید کی دعوت دینے سے باز نہ آؤ۔ قرآن حکیم نے امتِ مسلمہ کا مقصدِ وجود بتاتے ہوئے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا،

(اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو اُمّتِ معتدل تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر، اور رسول تم پر گواہ ہو)

آں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم کر دی گئی۔ اب دنیا کو توحید کی طرف بلانے کا کام آپ کی امت کے سپرد کیا گیا ہے۔ اور اُمت مسلمہ بحیثیت مجموعی اور اس کا ایک ایک فرد اپنی انفرادی حیثیت میں اس فریضہ کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے رموزِ بے خودی میں مسلمانوں کو ان کا یہی منصب یاد دلانے کی کوشش کی ہے۔

می ندانی آیۂ اُمّ الکتاب — اُمّتِ عادل ترا آمد خطاب
آب و تاب چہرۂ ایام تو — در جہاں شاہد علی الاقوام تو

(کیا تو قرآن حکیم کی اس آیت سے واقف نہیں جس میں تجھے امت عادل کا خطاب دیا گیا ہے۔ تو ہی تو چہرۂ ایام کی آب و تاب ہے اور تجھے ہی تو دنیا کی تمام قوموں پر حق کا گواہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔)

اور یہ کہ :-

زانکہ در تکبیر راز بود تست　　حفظ و نشر لا الٰہ مقصود تست
تا نہ خیزد بانگ حق از عالمے　　گر مسلمانی نیاسائی دمے

(تکبیر ہی میں تیری ہستی کا راز پنہاں ہے۔ عقیدۂ لا الٰہ الا اللہ کی حفاظت و اشاعت تیرا مقصود ہے۔ اگر تو مسلمان ہے تو جب تک سارے جہان سے حق کا کلمہ بلند نہ ہو جائے تجھے دم نہیں لینا چاہئے۔)

مسلمانوں کا یہ وہ فریضۂ حیات ہے جو کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتا۔ حالات سازگار ہوں یا نہ ہوں۔ ذرائع و وسائل حاصل ہوں یا ان کا فقدان ہو ہر حال میں توحید کی تبلیغ ضروری ہے۔

آج جب کہ دنیا نے پھر سے بے شمار بت گھڑ لئے ہیں۔ کہیں سرمایہ و دولت کی پرستش ہو رہی ہے اور کہیں قبیلہ و خاندان اور رنگ و نسل کی کہیں وطن کی خاک کو دیوتا بنا کر پوجا جا رہا ہے اور کہیں کمیونزم اور سوشلزم کو لات و منات کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ ضرورت ہے کہ مسلمان اپنا مقام پہچانیں اور دنیا میں پھر سے توحید کی اذان پکارنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ بقولِ اقبالؒ۔

فکر انساں بُت پرستے بُت گرے　　ہر زماں در جستجوئے پیکرے
باز طرح آذری انداخت است　　تازہ تر پروردگارے ساخت است
اے کہ خوردستی زمینائے خلیلؑ　　گرمیٔ خونت ز صہبائے خلیلؑ
بر سرِ ایں باطلِ حق پیرہن　　تیغ "لا موجود الا ہو" بزن
جلوہ در تاریکیٔ ایام کن　　آنچہ بر تو کامل آمد عام کن

(انسانی فکر و ذہن بت پرست بھی ہے اور بت گر بھی۔ اسے ہر زمانے میں ایک پیکر محسوس کی جستجو رہتی ہے۔ اس نے آج بت پرستی کے لئے نئے پروردگار بنائے ہیں۔ اے کہ تو نے مینائے خلیلؑ سے جام نوش کئے ہیں اور اسی ابراہیمی مئے توحید سے تیرے خون میں گرمی پائی جاتی ہے، حق کے لبادوں میں چھپے ہوئے اس باطل پر "لا موجود الا ہو" کی شمشیر سے حملہ آور ہو۔ ظلمتِ روزگار میں نور پاشیاں کر اور جو دین تجھ پر کامل ہو چکا ہے اسے عام کرنے کی فکر کر۔)

اِنسانی زِندَگی پر عَقیدۂ توحید کا اَثر

فقر اور احتیاج انسان کی سرشت میں داخل ہے وہ ہزار ترقی کر جائے لیکن کسی کے آگے جھکنے اور کسی نہ کسی کو معبود بنانے سے باز نہیں آسکتا۔ وہ آگ کو دیکھتا ہے کہ اس سے کتنی ہی انسانی ضروریات وابستہ ہیں تو اسے ہی پوجنا شروع کر دیتا ہے۔ سورج اور چاند اسے دنیا کے لئے فیض رساں نظر آتے ہیں تو ان کے آگے گر پڑتا ہے۔ گنگا اور جمنا کے ذریعے فصلوں کو لہلہاتے اور انسانوں کو اپنی پیاس بجھاتے دیکھتا ہے تو انہیں ہی اپنا حاجت روا اور مشکل کشا مان لیتا ہے اور کبھی کبھی اس مقام سے بھی گر کر اپنے جیسے انسانوں کے حضور ماتھا ٹیکتا ہے بلکہ اپنے ہاتھوں مٹی کے مجسمے بناتا اور پوجتا ہے۔ آج دنیا نے بہت کچھ ترقی کر لی ہے لیکن اس کے باوجود آدمیت فقر اور احتیاج سے اپنے آپ کو نہیں چھڑا سکی۔

آج بھی آپ غور سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلوب اور انداز تو ضرور بدل گیا ہے۔ لیکن پرستش، اور انسان کے احساسِ عبدیت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ لوگ آج بھی ہیرو ورشپ میں مبتلا ہیں، دولت اور سرمایہ کو عمل سے اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں۔ کہیں دھرتی ماتا کی پوجا ہو رہی ہے اور کہیں سامنس کو خدا کی جگہ دے دی گئی ہے۔

انسانی فقر و احتیاج کو ان غلط راستوں سے پورا کرنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے، کہ آدمی بے شمار چوکھٹوں پر جبہ سائی کرنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ اور خواہشات نفس اور معاشرے کی تمام غلط طاقتیں اس کی خدا بن جاتی ہیں اور اس طرح ایک انسان سینکڑوں مصنوعی خداؤں میں گھر کر رہ جاتا ہے۔ عقیدۂ توحید کا سب سے پہلا اثر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان ان بے شمار بناوٹی آقاؤں کی غلامی سے نکل کر صرف ایک آقا اور ایک مالک کا بندہ بن جاتا ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزاروں سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

جب ایک بندۂ موحد اس حقیقت پر ایمان لے آتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی نافع و ناصح نہیں کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ سود و زیاں سب اسی کے اختیار میں ہے تو وہ کسی سے خوف نہیں کھاتا اور سخت مشکل سے مشکل حالات میں بھی اسکے حوصلے پست نہیں ہوتے۔ فرعون و نمرود ہوں یا قارون و ہامان وہ کسی کے سامنے اپنا سر جھکانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اس کے پیش نظر خدا کا یہ فرمان ہوتا ہے کہ "فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ" اگر تم مومن ہو تو

ان سے خوف نہ کرو مجھ سے خوف کرو۔ وہ دنیا کے سب سے بڑے موحد کے اس ارشاد کو اپنے لئے مشعل راہ بناتا ہے کہ۔

"وَلَوْجَهَدَ الْعِبَادُ اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَقْضِهِ اللّٰهُ لَكَ لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ وَلَوْجَهَدُوا الْعِبَادُ اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَقْضِهِ اللّٰهُ عَلَيْكَ لَمْ يَقْدِرُوْا"

"اگر سب بندے مل کر کوشش کریں کہ تجھے اس چیز سے نفع پہنچائیں جو اللہ نے تیرے لئے مقدر نہیں کی تو وہ ایسا کرنے کی قدرت نہیں پائیں گے اور اگر سب بندے مل کر تجھے کسی چیز سے ضرر پہنچانے کی کوشش کریں جو اللہ نے تیرے لئے مقدر نہیں کی تو وہ اس پر قدرت نہ پائیں گے۔ (حدیث نبوی۔ روایت از حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ)

خدا پر ایمان لانے کے بعد جب انسان کے دل سے ماسوا اللہ کا ڈر اور خوف نکل جاتا ہے تو وہ قیصر و کسریٰ کے دربار میں قالینوں کو نیزے سے چھیدتا ہوا جاتا ہے اور بغیر کسی جھجک کے بادشاہ کے ساتھ تخت پر جا بیٹھتا ہے دشمن سوتے میں اس کی تلوار پر قبضہ کر لیتا ہے اور اسے جگا کر شمشیر بدست سوال کرتا ہے "بتاؤ! اب تمہیں کون بچا سکتا ہے" اور وہ اطمینان سے جواب دیتا ہے "اللہ" اور دشمن کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ جاتی ہے وہ بڑے بڑے جباروں کو برسر مجلس ان کی غلط کاریوں پر ٹوک دیتا ہے اور ان کے جاہ و جلال، خزانے اور لشکر سے مرعوب نہیں ہوتا۔ اس کی زندگی میں یہ حیرت انگیز انقلاب اس لئے رونما ہوتا ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی کا خوف نہیں کھاتا اور دنیا والوں سے ڈرنا اس کے نزدیک حرام ہوتا ہے۔

موحد کہ در پائے ریزی زرش | وگر آرۂ می نہی بر سرش
امید و ہراسش نہ باشد ز کس | ہمین است بنیادِ توحید و بس

(موحد وہ ہے کہ خواہ تو اس کے قدموں میں مال و زر کے انبار لگا دے یا اس کے سر پر آرہ رکھ دے اسے نہ کسی شخص سے کوئی امید ہوتی ہے نہ ہراس، اور دیکھا جائے تو توحید کی بنیاد یہی چیز ہے)

جب مشکلات اس پر یورش کرتی ہیں اور وہ گھبرا کر دنیاوی سہاروں پر تکیہ کرنے کا خیال دل میں لاتا ہے انسانوں اور اپنے جیسے انسانوں کی پناہ ڈھونڈنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے تو دفعتاً اپنے رب کا یہ فرمان اس کے سامنے آجاتا ہے: "اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ" کیا میں اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں ہوں — تو اس کے ڈگمگاتے ہوئے قدم جم جاتے ہیں اور اس کی روح ایک ان جانے سرور سے جھوم اٹھتی ہے۔

وہ غریب اور مفلس ہوتا ہے۔ فاقے کرتا اور پیٹ پر پتھر باندھتا ہے۔ دنیا کی لذتیں اور راحتیں اسے نصیب نہیں ہوتیں۔ لیکن خدا کے رازق ہونے کا تصور اس کی غیرت کو اس حد تک جلا بخش دیتا ہے کہ اس کے نزدیک کسی کے آگے دست سوال دراز کرنا عقیدۂ توحید کے منافی ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کے ہاتھ سے کوڑا بھی گر جائے تو وہ خود اتر کر اسے اٹھا لیتا ہے۔ لیکن کسی سے کوڑا اٹھانے کی درخواست نہیں کرتا۔

"ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور مجھ سے یہ شرط کی کہ دیکھنا کسی سے کچھ سوال نہ کرنا۔" میں نے کہا قبول ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "اگر تمھارے ہاتھ سے کوڑا گر پڑے تو اپنا کوڑا بھی نہ مانگنا، یہاں تک کہ اترنا اور

اس کو خود اٹھا لینا۔"

اسے دنیا میں جاہ و منزلت حاصل ہوتی ہے۔ دنیا بھر کے ذرائع و وسائل اسے مہیا ہوتے ہیں تمام کائنات اس کی چاکر اور غلام ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کے دل میں تکبّر کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ وہ لوگوں میں مال تقسیم کرتا ہے لیکن ساتھ ہی بتاتا جاتا ہے کہ یہ مال میرا نہیں خدا کا ہے۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو مال تقسیم کرتے تو ساتھ یہ بھی فرماتے "اِنَّمَآ اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ" دیکھو میں تو صرف ایک تقسیم کرنے والے کی حیثیت رکھتا ہوں۔ دراصل دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔"

عقیدۂ توحید کو زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لینے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان طاقت اور مقام و مرتبہ کے نشہ میں سرمست نہیں ہونے پاتا۔ بڑے بڑے بادشاہ اس کا نام سن کر کانپ جاتے ہیں۔ اسے فتوحات پر فتوحات حاصل ہو رہی ہوتی ہیں۔ لیکن وہ ان کامیابیوں کو خلق خدا پر رعب گانٹھنے کا ذریعہ نہیں بناتا اور بھرے مجمع میں یہ اعلان کرتا ہے کہ۔

"لوگو اگرچہ آج میں تمہارا خلیفہ ہوں لیکن مجھے خوب یاد ہے کہ میں کل تک بکریاں چرایا کرتا تھا۔"

غربت اور تنگ دستی میں بھی اس کا دل سکون اور اطمینان سے معمور ہوتا ہے وہ معاشی بدحالی اور خستگی کے باعث ناشکرا اور بے صبر نہیں ہونے پاتا۔ وہ ہر حال میں قناعت کرتا اور اپنے آقا اور مالک کا شکر ادا کرتا ہے۔ شکوہ و شکایت کا کوئی لفظ

اس کی زبان پر نہیں آتا اور یہ یقین اسے صبر و شکر اور قناعت کی دولت سے مالا مال کر دیتا ہے کہ رازق کائنات نے میرے لئے جو رزق مقدر کیا ہے۔ وہ مجھے مل کر رہے گا اور اگر وہی یہ چاہتا ہے کہ میں افلاس و ناداری میں مبتلا رہوں تو دراصل اسی میں میرے لئے خیر اور برکت پوشیدہ ہے۔ یہ حدیث قدسی اس کا جزو ایمان ہوتی ہے کہ

"حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے بندوں میں کوئی ایسا بھی ہے کہ تونگری یا غنا کے سوا کوئی چیز اس کو صالح نہیں کر سکتی اگر میں اس کو فقیر کر دوں تو یہ فقر اس کو بگاڑ دے اور کوئی ایسا بھی ہے کہ اس کو فقیری و درویشی کے سوا کوئی چیز نیک نہیں بنا سکتی اگر میں اس کو غنی کر دوں تو غنا اس کے ایمان کو فاسد کر دے اور کوئی ایسا بھی ہے کہ اس کو صحت و تندرستی کے سوا کوئی چیز درست نہیں رکھ سکتی اگر میں اس کو بیمار کر دوں تو وہ بیماری اس کے ایمان کو بگاڑ دے اور کوئی ایسا بھی ہے کہ بیماری کے سوا کوئی چیز اس کے ایمان کو درست نہیں رکھ سکتی۔ اگر میں اس کو تندرست رکھوں تو یہ تندرستی اس کے ایمان کو فاسد کر دے مجھے اپنے بندوں کے احوال سے پوری آگاہی ہے اور میں ان کے مطابق اپنا کام کرتا ہوں۔" (حدیث الوالی)

وہ سریر آرائے حکومت ہوتا ہے تو خوف خدا اس کے اندر ذمہ داری کا وہ احساس پیدا کر دیتا ہے کہ رعایا کے ایک ایک فرد کی ضروریاتِ زندگی اسے اپنے

ذمے نظر آتی ہیں وہ یہاں تک سوچتا ہے کہ

"اگر دجلہ کے کنارے کوئی کُتّا بھی بھوک سے مر گیا تو عمرؓ سے اس کی بھی باز پرس ہو گی"

وہ حکومت کے خزانے کو باپ دادا کی جاگیر سمجھنے کی بجائے "مال یتیم" قرار دیتا ہے جس کو ہڑپ کرنا اس کے نزدیک پیٹ میں جہنم کے انگارے بھرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ اس سے سرکاری کام کے لئے ضرورت سے قدرے زائد کاغذ بھی طلب کیا جائے تو یہ فرمان جاری کرتا ہے کہ

"قلم باریک کر دو اور گٹھا ہوا لکھو اور ایک پرچہ میں بہت سی ضرورتیں لکھ دیا کرو اس لئے کہ مسلمان کو ایسی لمبی چوڑی بات کی ضرورت نہیں جس سے خواہ مخواہ بیت المال پر بار پڑے" (سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ صفحہ ۶۴)

وہ سرکاری خزانے سے کوئی بھاری مشاہرہ نہیں لیتا۔ فقط اتنا ہی لیتا ہے جس سے اس کی گذر بسر ہو سکے اور جب وفات کا وقت آتا ہے تو ورثاء کو حکم دے جاتا ہے کہ میں نے بیت المال سے اب تک جو کچھ لیا ہے اس کا حساب کر لیا جائے اور کل رقم میری ذاتی ملکیت سے واپس کر دی جائے۔ وہ اپنی بیٹی کو وصیت کرتا ہے "جب میں وفات پا جاؤں تو مسلمانوں کے برتن، ان کا غلام، ان کی اونٹنی، ان کی چکیاں اور ان کی دو چادریں، جو میں اوڑھنے اور بچھانے کے لئے استعمال کرتا تھا واپس کر دی جائیں (حضرت عائشہؓ کے نام حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وصیت)

ایک خدا، ایک انسان، ایک نظام

دنیا آج رنگ، نسل اور وطن کی حد بندیوں کے باعث ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئی ہے اور علم کی روشنی کے باوجود گورے اور کالے کے سوال پر یورپ اور امریکہ میں فسادات ہو رہے ہیں لیکن عقیدۂ توحید بنی نوع انسان کے لئے اجتماعیت کی جو بنیاد دیں فراہم کرتا ہے ان پر ایک ایسا پاکیزہ اور محبت و اخوت سے معمور معاشرہ تعمیر ہوتا ہے جس میں اس طرح کے کسی جاہلانہ امتیاز کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس معاشرہ کی اساس توحید کے سب سے بڑے رمز شناس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش کردہ اس اصول پر ہوتی ہے کہ

"انسانوں کی ابتدا، بنی آدم سے ہے اور آدمؑ کی خلقت مٹی سے، نہ کسی عرب کو کسی غیر عرب پر فضیلت ہے نہ کسی غیر عرب کو عرب پر سوائے تقوٰے کے (خطبہ حجۃ الوداع)

اس سنہری اصول پر جو سوسائٹی بنتی ہے اس میں ہر شخص کو زندگی سے استفادہ کرنے کا مساوی حق حاصل ہوتا ہے یہاں کسی ایک خاندان یا گروہ کی اجارہ داری نہیں ہوتی بلکہ ہر وہ شخص جو توحید پر ایمان لاتا ہے اختیار و اقتدار میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ یہاں حکومت شہنشاہیت کے انداز پر نہیں چلتی خلافتِ جمہور کے نظریہ پر چلتی ہے، حبش کے بلالؓ روم کے صہیبؓ۔ فارس کے سلمانؓ اور عرب کے فاروقؓ و صدیقؓ اس میں ایک جیسے حقوق رکھتے ہیں جغرافیائی

حدود و قیود اور زبان و نسل کے اختلافات اس عالمگیر معاشرہ کی راہ میں حائل نہیں ہوتے۔ یہ اسی کا فیض تھا کہ ہندوستان کے ساحل پر ایک مظلوم عورت کی پکار عرب کے فرمانروا کو بے چین کر دیتی تھی۔ احترام آدمیت کا یہی وہ نظام ہے۔ جس کے تحت حاکم و محکوم اور آقا اور غلام کو یکساں محبت و اخوت کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔

"حاکم مصر حضرت عمرؓ بن العاص نے ایک دفعہ ایک مصری کو بلاوجہ کوڑے سے پیٹا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصری کو ان سے بدلہ لینے کا حکم دیا اور عمرؓ بن العاص سے کہا "تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا حالانکہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے ہیں"۔

آج نسلی خرخشوں اور وطنی و لسانی جھگڑوں کو مٹانے کے لئے مغرب کے مفکرین "عالمی حکومت" کا تصور پیش کر رہے ہیں لیکن یہ خواب اس وقت تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ جب تک دنیا وحدتِ الٰہ اور وحدتِ آدم کے اس انقلاب انگیز نظریہ کی قائل نہ ہو جائے۔

یہ توحید ہی ہے جو دنیا کے لئے اجتماعیت کے صحیح خطوط فراہم کرتی ہے اور جس پر ایمان لانے والا ہر شخص اپنے آپ کو ایک عالمگیر برادری کا رکن تصور کرتا ہے۔

مدعائے ما آں ما یکیست — طرز و اندازِ خیالِ ما یکیست
ما ز نعمتہائے او اخواں شدیم — یک زباں و یکدل و یکجاں شدیم

(ہمارا مدعا و مقصود ہمارے طور طریقے اور انداز خیال سب

ایک ہیں ہم اس کی تعلیمات کی وجہ سے بھائی بھائی بن چکے
ہیں۔ ہم یک زباں ہیں۔ یک دل اور یک جان ہیں)

رسالت

از رسالت در جہاں تکوین ما

از رسالت دینِ ما آئین ما

از رسالت صد ہزار اریک است

جزوِ ما از جزوِ ما لاینفک است

دنیا میں ہمارا وجود، ہمارا دین اور ہمارا آئین، رسالت کا مرہون منت ہے۔ سو ہزار بہ سبب، رسالت بمنزلہ ایک کے ہے۔ ہمارا ایک جُز دوسرے جز سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

رسالت

اگر ہم اپنے اردگرد پھیلے ہوئے جہان رنگ و بو پر نگاہ ڈالیں اور اپنے وجود کا جائزہ لیں تو ہمارا دل بے اختیار گواہی دے گا کہ ہمارا خالق ہم پر بے حد شفیق و رحیم ہے اور اس کی رحمتیں ہمیں ہر آن گھیرے ہوئے ہیں۔ اور ہماری جملہ ضروریات کو پورا کرنے کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔ ہمیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا ہے ہمیں دیکھنے کو آنکھیں سننے کو کان اور بولنے کو زبان عطا فرمائی ہے، چاند سورج، ستاروں، ہوا اور پانی کو ہماری چاکری پر مامور کیا ہے اور عقل ارادہ اور شعور بخش کر ہمیں اشرف المخلوقات کا درجہ دیا ہے وہ خود فرماتا ہے۔

رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ — میری رحمت میں ہر چیز کی سمائی ہے۔

دنیا میں ہم ایک دوسرے سے پیار محبت اور شفقت و ترحم کے جو جذبات رکھتے ہیں یہ دراصل اسی کی رحمت کا پرتو ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَعَلَ اللّٰہُ الرَّحْمَۃَ مِائَۃَ جُزْءٍ فَاَمْسَکَ عِنْدَہٗ تِسْعَۃً وَّتِسْعِیْنَ وَاَنْزَلَ فِی الْاَرْضِ جُزْءًا وَّاحِدًا فَمِنْ ذَالِکَ الْجُزْءِ تَتَرَاحَمُ الْخَلَائِقُ حَتّٰی تَرْفَعَ الدَّابَّۃُ حَافِرَھَا عَنْ وَلَدِھَا خَشْیَۃً اَنْ تُصِیْبَہٗ۔

(بخاری، مسلم، ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصّہ کے ننانوے حصّہ تو اپنے لئے محفوظ رکھے ہیں اور صرف ایک حصّہ زمین والوں کو بخشا ہے یہی ایک حصّہ ہے جس سے مخلوق باہم ایک دوسرے کے ساتھ رحمت کا معاملہ کرتی ہے یہانتک کہ جانور اپنا پاؤں اپنے بچے سے ہٹالیتا ہے اس خوف سے کہ کہیں اس پر جا نہ پڑے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ جو خدا اتنا رحیم وکریم ہے اور جس نے انسانی ضروریات کو پورا کرنے کا اہتمام کیا ہے وہ انسان کو یہ بتانے اور سمجھانے کا انتظام نہیں کریگا کہ زندگی گذارنے کا سیدھا راستہ کونسا ہے؟ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ انسان کی ضروریات فقط خورد ونوش تک محدود نہیں ہیں۔ یہ ضروریات تو فقط اس جانور کی ہیں جسے انسانی جسم کہا جاتا ہے۔ اس جسم کے اندر جو انسان چھپا ہوا ہے وہ کچھ اور بھی چاہتا ہے اور وہ "کچھ اور" یہ ہے کہ میں اپنی انسانیت کو کس طرح ترقی دوں، پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی کیسے گذاروں، اپنے خالق کی منشاء کے مطابق تعمیر حیات کیسے کروں اور فکر ونظر کی ان ٹیڑھی ترچھی پگڈنڈیوں میں صراط مستقیم کا سراغ کیسے لگاؤں؟ اس کے اندر کا انسان دیکھتا ہے کہ زمانہ زندگی کا متلاشی ہے اور اس پر جی جان سے فدا ہے تو اس کا شعور سوال کرتا ہے کہ "آخر اس زندگی

کا مقصد کیا ہے ؟

زمانہ چاہتا ہے زندگی کو　　مگر خود زندگی کیا چاہتی ہے

اگر اللہ تعالیٰ انسان کی اس سب سے بڑی ضرورت کو پورا نہ کرے تو اس کی صفتِ رحمت کی تکمیل نہیں ہوتی اگر وہ دنیا کو یوں ہی اندھیروں میں بھٹکتا چھوڑ دے اور اس کی دست گیری نہ کرے تو یہ اس کی شانِ رحمت کے منافی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مخلوق کی اس ضرورت کو بھی پورا کیا ہے اور زندگی کا سیدھا رستہ بتانے کی ذمہ داری خود قبول فرمائی ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ　　اور اللہ ہی کے ذمہ ہے سیدھا راستہ
وَمِنْهَا جَائِرٌ (النحل)　　بتانا جب کہ راستے ٹیڑھے بھی موجود ہیں۔

اور انسانیت کو صراط مستقیم دکھانے کے لئے جو واسطہ خدا نے تجویز فرمایا ہے اسی کا نام رسالت ہے۔

رسالت کی ضرورت

ہم مجرّد عقل کی روشنی میں اس نتیجے پر تو پہنچ سکتے ہیں کہ خدا ہے اور اسی نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ لیکن خدا سے متعلق باقی تفصیلات معلوم کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ خدا ہے تو اس کا ہمارے ساتھ کیا تعلق ہے۔ اس کی پسند اور ناپسند کیا ہے۔ وہ کن باتوں پر خوش ہوتا ہے اور کن باتوں پر ناخوش۔ مرنے کے

بعد کیا ہونے والا ہے ؟ — یہ سارے سوالات ہمارے لئے عقدۂ لاینحل ہیں. قیاسات کے تیر تکّے لڑا کر اٹکل پچو ہم ان کا جواب حاصل کرنے کی کوشش کریں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر شخص اس معاملے میں اپنا ایک الگ نظریہ گڑھے گا. وحدتِ فکر ختم ہو جائے گی اور انسانیت ایک ایسے افتشارِ ذہنی میں مبتلا ہو جائے گی جس کے بعد اس کا شیرازہ منتشر ہو کر رہ جائے گا. اس نقصانِ عظیم کے ساتھ ساتھ یقین ہمارے دلوں سے رخصت ہو جائے گا اور ہم میں سے کوئی آدمی اس بات پر مطمئن نہیں ہوگا کہ اس نے ان سوالات کا جو حل تلاش کیا ہے وہ فی الواقع درست اور معقول ہے — علامہ اقبال مرحوم نے اسی لئے کہا:

خرد سے راہرو روشن بصر ہے　　خرد کیا ہے چراغِ راہگذر ہے
دروں خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا　　چراغِ راہ کیا جانے کہ گھر ہے

آپ غور کریں گے تو ان سوالات کا جواب حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ آپ کی سمجھ میں آئے گا اور وہ یہ ہے کہ کسی ایسے واسطہ کو تلاش کیا جائے. جسے براہ راست ان حقائق کا علم ہو. ہم روزمرہ کے معاملات میں بھی اسی طریقہ پر عمل پیرا ہیں ہم نہیں جانتے کہ ہماری بیماری کس طرح رفع ہوگی. اس لئے ہم اس سلسلے میں ڈاکٹر پر اعتماد کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے نزدیک اس فن کا ماہر ہوتا ہے. ہم کوئی مقدمہ دائر کرتے ہیں تو اس کے لئے وکیل تلاش کرتے ہیں کیونکہ وہ قانون کی باریکیوں سے پوری طرح واقف ہوتا ہے. آج سائنس دانوں کے انکشافات پر بھی ہم اس لئے اعتماد کرتے ہیں کیونکہ ہم انھیں ان رموز و اسرار کا عالم تسلیم کرتے ہیں. اسی طرح دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم خدا کے معاملے میں بھی

کچھ ایسی شخصیتوں پر اعتماد کریں۔ جنھیں خدا تعالیٰ نے خود ان سوالوں کا جواب بتایا ہو اور یہی وہ شخصیتیں ہیں جنھیں نبی اور رسول کہا جاتا ہے۔

آپ انبیاء کی تاریخ کا مطالعہ کریں کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں ہے جس نے یہ کہہ کر لوگوں کو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دی ہو کہ میں عقل کی روشنی میں تمھاری رہنمائی کروں گا۔ جو آیا اس نے یہی کہا۔

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف) "اور مجھے اللہ کی طرف سے وہ کچھ معلوم ہے جو تمھیں معلوم نہیں ہے"

ان کے متعلق خالق کائنات نے بھی شہادت دی۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝۔ "وہ جو کچھ بولتا ہے اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ وہ تو وحی ہے جو وحی کی جا رہی ہے"

اس لئے انسانیت کے لئے واحد چارۂ کار یہ ہے کہ وہ ان پاکیزہ ہستیوں پر ایمان لائے اور عقل کی بھول بھلیوں میں گم ہونے کی بجائے اس علم حقیقی سے فیضیاب ہو جو انبیا کی وساطت سے اسے حاصل ہوا ہے۔

سلامتی کا راستہ

اس بات کو کہ پیغمبر براہِ راست خدا سے علم حاصل کرتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک واقعاتی تمثیل سے واضح فرمایا ہے۔ عرب میں دستور

تھا کہ جب کوئی شخص دشمن کے حملہ کی اطلاع اپنے اہلِ وطن کو دینا چاہتا تو ایک اُونچی جگہ کھڑے ہو کر "واصباحاہ" پکارتا اور لوگ خطرے کو بھانپ کر اس شخص کی طرف دوڑ پڑتے۔ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو ایک دفعہ آپ نے بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا۔

کوہِ صفا پر چڑھ کر آپؐ نے لوگوں کو آواز دی۔ جس کسی نے یہ آواز سُنی، وہ بے تحاشا کوہِ صفا کو دوڑا۔ آج لوگ اس لئے بھی تیزی دکھا رہے تھے کہ انھیں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ معاملہ کچھ بہت زیادہ اہم ہے تبھی اس شخصیت کو اطلاع دینے کی ضرورت محسوس ہوئی جو ہم میں سب سے زیادہ راست باز اور امین و دیانتدار ہے جب سب لوگ صفا کے دامن میں جمع ہو گئے تو حضورؐ نے پوچھا: "لوگو! تم میرے متعلق کیا رائے رکھتے ہو؟" جواب دیا گیا: "ہم آپ کو صادق اور امین سمجھتے ہیں آپ سے بڑھ کر صادق الوعد آدمی ہماری نظر سے نہیں گذرا۔" حضورؐ نے فرمایا: "اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے دشمن کا لشکر چھپا ہوا ہے۔ اور وہ آن کی آن میں تم پر حملہ کیا چاہتا ہے تو کیا تم اس بات کو مان لو گے" قریش مکہ نے دیکھا کہ جو ہستی یہ بات فرما رہی ہے اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور پھر وہ ایک ایسے بلند مقام پہ کھڑی ہے کہ پہاڑ کے دونوں طرف اس کی نگاہ جا رہی ہے اور ہم دامنِ کوہ میں ہیں اور پہاڑ کی دوسری جانب دیکھنے سے قاصر ہیں تو انھوں نے بیک زبان جواب دیا: "اے محمدؐ! ہم اس بات کو ضرور مان لیں گے۔" حضورؐ نے جب اپنے مقام کا یہ اعتراف کرا لیا تو اب اس خطرے کی اطلاع دی کہ جس کے لئے آپ نے انھیں جمع کیا تھا فرمایا تو "اے لوگو! میں تمہیں خدا کے عذاب سے

Acc 9945

ڈراتا ہوں "

سبحان اللہ! پیغمبر کا مقام بلند واضح کرنے کے لئے آپ نے کیا دل نشین اسلوب اختیار فرمایا۔ عام انسان دامنِ کوہ میں کھڑے ہیں۔ درمیان میں زندگی کا پہاڑ حائل ہے وہ دیکھنا بھی چاہیں کہ اس پہاڑ کے پیچھے کیا ہے تو نہیں دیکھ سکتے ان کی نگاہ فقط پہاڑ سے ادھر ہی ادھر کام کرتی ہے مگر پیغمبر ایک ایسی جگہ پر کھڑا ہے جہاں پہاڑ کے دونوں طرف کا حال پوری طرح روشن ہے وہ زندگی سے بھی باخبر ہے اور اس زندگی کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اسے بھی خوب جانتا ہے اور پھر کردار کے لحاظ سے اتنی اونچی شخصیت کا مالک ہے کہ اس کے دامن پر کوئی داغ دھبہ نظر نہیں آتا۔ اب ہمارے لئے سلامتی کا راستہ کیا ہے؟ کیا یہ کہ ہماری نگاہوں کے آگے زندگی کا جو پہاڑ حائل ہے۔ اس کے پیچھے کے احوال جاننے کے لئے اپنے انداز سے اور قیاس پر انحصار کریں یا ان ہستیوں کی بات مانیں جو ایسے بلند مقام کی حامل ہیں کہ پہاڑ کے اُس پار کے معاملات سے بھی اچھی طرح واقف اور آگاہ ہیں۔

"سوچئے اور سوچنے کے بعد جواب دیجئے کہ ہمارے لئے سلامتی کا راستہ کون سا ہے "

انبیاءؑ کی صداقت کی دلیل

دنیا کو راہِ راست پر لانے کے لئے اللہ تعالےٰ نے جتنے بھی انبیاء

مبعوث فرمائے ہیں۔ وہ سب کے سب اتنے اونچے کردار کے مالک تھے کہ دوست تو دوست دشمن بھی اس پہلو سے ان پر کوئی حرف گیری نہ کر سکے بلکہ مجبوراً اگر اظہار رائے کرنا پڑ گیا تو بے اختیار ان کی زبان سے تعریف و توصیف کے کلمات اُبل پڑے۔ آدمی اگر غور کرے تو انبیاءؑ کی یہ پاکیزہ سیرت ہی ان پر ایمان لانے کے لئے کافی ہے۔ ابوسفیان قیصر روم کے دربار میں پہونچا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس سے مدد حاصل کرے یہ بڑا ہی نازک موقع تھا مگر یہاں بھی پیغمبر کی صداقت اور دیانت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ بادشاہ روم نے پوچھا کیا محمدؐ پر کبھی جھوٹ کی تہمت بھی لگی ہے؟ ابوسفیان نے کہا نہیں پھر اس نے پوچھا، کیا انھوں نے کبھی اپنا عہد توڑا ہے۔ ابوسفیان بولا۔ نہیں۔ اس پر قیصر روم بے اختیار پکار اٹھا کہ جو شخص لوگوں کے ساتھ جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کس طرح جھوٹ باندھ سکتا ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ آخرت کے بارے میں انبیاء نے جو اطلاع دی ہے اس میں ان کا کیا ذاتی فائدہ پوشیدہ تھا؟ اگر انھیں عزت اور منزلت کی ضرورت ہوتی تو وہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے ہی انہیں حاصل تھی۔ لوگ ان کے رستے میں آنکھیں بچھاتے تھے اور ایک بہترین انسان کی حیثیت سے ان پر اعتماد کرتے تھے۔ یہ اطلاع دینے کا نتیجہ تو ہمیشہ یہ نکلا کہ انہیں بے انتہا مظالم کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض کو آروں سے چیر ڈالا گیا۔ بعض کو جلا وطن کر دیا گیا۔ کتنوں کو قتل کر دیا گیا اور کتنے ہی ایسے تھے

کہ جو دنیا میں کامیابی کا منہ دیکھے بغیر اپنے خالق سے جا ملے ۔ لیکن انہوں نے لوگوں کے سامنے جو دعوت پیش کی تھی۔ ان سارے مظالم کے باوجود اس سے باز نہیں آئے۔ انہیں لالچ دی گئی۔ سیم وزر اور حسن وجمال کی پیش کش کی گئی۔ حکومت اور سلطنت دینے کے وعدے کئے گئے مگر ان پاکباز ہستیوں نے ان سب چیزوں کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ آپ غور کریں گے تو ان باتوں سے اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ بے لوث اور بے غرض پاکباز ہستیاں خدا کی طرف سے ہی بھیجی گئی تھیں اور ان کے پیش کردہ حقائق میں ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

پھر یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار ہستیاں کسی ایک عہد میں پیدا نہیں ہوئیں بالکل مختلف زمانوں اور مختلف اَدوار میں ان کی بعثت ہوئی اس کے باوجود ان کی دعوت میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں پایا جاتا۔ آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کی دعوت میں حیرت انگیز مطابقت نظر آتی ہے دنیا کے دوسرے تمام نظریات ہر زمانے میں بدلتے رہے ہیں۔ کل تک سائنسدان نظریۂ ارتقاء پر ایمان رکھتے تھے مگر آج بہت سوں کے نزدیک اسے تسلیم کرنا "جرم" سے کم نہیں مگر انبیائے کرام نے توحید، رسالت، معاد، تقدیر اور ملائکہ سے متعلق جو امور پیش فرمائے وہ کسی عہد میں تبدیل نہیں ہو سکے۔

روزمرہ کی زندگی میں اگر چند آدمی ہمارے سامنے کسی بات کو وثوق سے بیان کر دیں تو ہم اس کو صحیح ماننے میں تامل نہیں کرتے مگر یہاں ایک لاکھ چوبیس ہزار پاکیزہ ہستیاں ایک عظیم الشان

تواتر اور تسلسل سے ہمارے سامنے کچھ حقائق رکھتی ہیں مگر ہم
ان پر ایمان لانے میں لیت و لعل کی روش اختیار کرتے ہیں۔
ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے

نبوت پر امام غزالیؒ کی دلیل

توحید کی طرح نبوت کے معاملے میں بھی "عقل پرست" طبیعت کو یہ مشکل پیش آتی ہے کہ "غیب" سے متعلق جو خبریں نبی دے رہا ہے وہ انھیں اپنی محدود عقل کے ذریعے جانچنا چاہتی ہے۔ اسے یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ جب ہم عقل اور ذاتی سوچ بچار کے ذریعے امور کا احاطہ نہیں کر سکتے تو پھر آخر وحی کیا چیز ہے کہ جس کے ذریعے یہ معلومات پیش کی جا رہی ہیں۔ حضرت امام غزالیؒ نے اس شبہ کو بہت خوبصورتی سے صاف کیا ہے انھوں نے اس سلسلے میں خواب کی مثال پیش کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر ہم سے یہ کہا جائے کہ جب ہماری بینائی سماعت اور دوسرے سارے قوائے حسی کام نہیں کرتے اور ہم بالکل بے ہوش اور غافل ہو جاتے ہیں تو اس وقت ہم پر بعض اوقات ہونے والے واقعات کا انکشاف ہوتا ہے اور ہم تمثیل کے رنگ میں مختلف حقیقتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں ——
تو ہم میں سے ہر شخص اس بات کو خلافِ عقل ٹھہرائے گا اور اس پر یہ دلیل لائیگا کہ قوائے حسی کے ذریعے ہی سے تو ادراک و احساس ہوتا ہے اور جب یہ معطل

و بے کار ہو جائیں تو پھر مشاہدہ کیسا ؟ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عقل کی رو سے یہ اعتراض ضرور وارد ہوتا ہے۔ مگر ہمارا روزمرہ کا تجربہ گواہی دیتا ہے کہ انسان عالم خواب میں عین بے ہوشی اور غفلت کے عالم میں ایسے ایسے واقعات دیکھتا ہے کہ جو آئندہ زندگی میں حرف بحرف سچے نکلتے ہیں اور تمثیل کے رنگ میں اسے کتنے مشاہدے ہوتے ہیں جنھیں تعبیر کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ احساس و ادراک کے تعطل کے باوجود خبر رسانی کا کوئی اور ذریعہ موجود ہے۔ امام غزالیؒ یہاں پہنچ کر دلیل پیش فرماتے ہیں کہ اسی طرح نبوت ایک ایسے مقام کا نام ہے جہاں عقل کچھ کام نہیں کرتی مگر نبی پر اس کی بدولت وہ امور غیب روشن ہو جاتے ہیں جو انسانی فہم و ادراک کی دست رس سے باہر ہیں، عقل بے چاری ان سرحدوں پر یہ کہہ کر ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں :-

اگر یک سرے موئے برتر پرم — فروغ تجلی بسوزد پرم

(اگر میں بال برابر بھی اوپر اڑوں گا۔ تو تجلی کی روشنی میرے پر جلا دے گی۔)

ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ میں جب تک اس مقام کو دیکھ نہ لوں اسکو ماننے کے لئے تیار نہیں لیکن امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایسی ہی بات ہوگی جیسے ایک اندھا اس پر اصرار کرے کہ وہ جب تک مختلف رنگوں کو دیکھ نہیں لے گا ان کا وجود تسلیم نہیں کرے گا۔

قرآن کریم نے بھی کہا :-

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

"اے محمدؐ ان سے کہو۔ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔ پھر ان سے پوچھو۔ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟" (الانعام)

انبیاءؑ کی حیثیت

اگر کوئی شخص اپنے نوکر کو اپنی پسند ناپسند بتائے بغیر اور یہ سمجھائے بغیر کہ وہ کون سی باتوں پر خوش ہوتا ہے اور کون سی باتوں پر ناراض اس کے کیا فرائض ہیں اسے سزا دے اور اس کی غلطیوں کو قابلِ مواخذہ سمجھے تو ہر معقول آدمی اسے بعید از انصاف قرار دے گا۔ اسے سزا دینے کیلئے ضروری ہے کہ ہم پہلے یہ ساری باتیں نوکر کو خوب اچھی طرح سمجھا دیں اور اگر اس کے بعد بھی وہ کوئی غلط رویہ اختیار کرے تو پھر اسے سرزنش کریں ـــــ اس مثال کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب آپ خدا اور بندوں

کے تعلق پہ غور کریں، فرض کیجئے اگر اللہ تعالےٰ ہمیں ہمارے فرائض سے مطلع کئے بغیر سزا دیتا تو وہ اس پہ قادر تو ضرور تھا مگر یہ بات اس کے عدل وانصاف کے منافی ہوتی اور ہم یہ عذر پیش کرنے کے مجاز ہوتے کہ جب ہم پہ حق، واضح ہی نہیں کیا گیا تو پھر یہ زجر وتوبیخ کیسی ؟ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے انبیاءؑ مبعوث فرمائے تاکہ ہم پہ ہر طرح اتمام حجت ہو جائے۔

قرآن حکیم میں اسی سلسلے میں فرمایا گیا۔

اگر اللہ تعالےٰ پیغمبر اتارنے سے قبل ہی کسی عذاب سے ان کو ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور یہ عذر کرتے کہ ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ذلیل ورسوا ہونے سے پہلے ہم تیرے حکموں پہ چلتے۔ اسی لئے فرمایا۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا۔ ہم عذاب نہیں دیتے جب تک کہ اپنا کوئی رسول نہ بھیج دیں۔

پھر انبیاء تشریف لاتے ہیں تو ان کی حیثیت محض ایک پیغامبر اور قاصد کی نہیں ہوتی بلکہ وہ دنیا میں خدا کے مقرر کردہ نمائندے ہوتے ہیں جو ان سے کٹتا ہے خدا ان سے کٹ جاتا ہے اور جو ان سے جُڑتا ہے وہ دراصل خدا سے اپنا تعلق جوڑتا ہے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری خدا کی فرمانبرداری ہوتی ہے اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ـــــ دنیا میں بھی آپ دیکھ لیجئے ایک شخص بادشاہ کا لاکھ وفادار بنتا ہو مگر اس کے مقرر کردہ نمائندہ کو ماننے سے انکار کر دے تو یہ انکار بادشاہ کو نہ ماننے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بادشاہ

نمائندہ کی اطاعت کرتا ہے تو اسے خود بادشاہ کی اطاعت — پر محمول کیا جاتا ہے۔ اسی بات کو امام رازیؒ نے اس طرح بیان کیا؛

"جس نے نبوت اور رسالت کا انکار کیا درحقیقت وہ اللہ تعالٰی کی ذاتِ پاک کی معرفت ہی سے بے نصیب رہا۔"
(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۱۲۸)

نصاریٰ کی مثال آپ کے سامنے ہے انھوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا مقام پہچاننے میں ٹھوکر کھائی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کے معاملے میں بھی گم راہ ہو گئے اور "ایک میں تین اور تین میں ایک" کے چکر میں پڑ گئے تاریخ عالم گواہ ہے کہ جس قوم نے اپنے نبی کی تعلیمات کو فراموش کر دیا، یا اس کی حیثیت کے متعلق افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئی حقیقت کا سرا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ خدا کے متعلق بے بنیاد عقیدوں اور نظریات میں پھنس کر رہ گئی۔ دین کی عمارت میں انبیاؑ کی معرفت اساس بنیاد کا حکم رکھتی ہے۔

انبیاءؑ انسان ہوتے ہیں

اسلام میں رسول کے متعلق نہ تو یہ عقیدہ ہے کہ وہ خدا کا اوتار

ہوتا ہے اور نہ یہ کہ اس کے بھیس میں خود خدا جلوہ نما ہے۔ اسلام بہت صا
اور واضح طریقے سے انبیاؑ کی بشریت کا عقیدہ دیتا ہے۔ نصاریٰ نے تو حضر
مسیح علیہ السلام کو بن باپ کے پیدا ہوتے دیکھا تو وہ آپ کے "ابن اللہ" ہونے
بے بنیاد وہم میں مبتلا ہو گئے مگر یہاں آدم علیہ السلام بغیر ماں اور باپ کے تو
ہوتے ہیں اور اسلام ان کے ابو البشر ہونے کا اعلان کرتا ہے۔

اعجوبہ پسند طبیعتوں نے ہر دور میں انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا انکار
ہے۔ مگر انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ اگر انبیاءؑ بشر نہیں تھے تو پھر کس مخلوق سے تع
رکھتے تھے؟ خدا تو وہ ہو نہیں سکتے کیونکہ وہ اس طرح کی ہر شراکت سے بے
اور منزہ اور مبرّہ ہے۔ فرشتوں کی طرف انہیں اس لئے منسوب نہیں کیا جا
کہ انسان خود اُس مخلوق سے افضل ہے ان کے ہوتے ہوئے آدم علیہ السلا
خلافت کی فضیلت کا حق دار ٹھہرانے میں یہی نکتہ پوشیدہ تھا۔ پھر آخر
کس مخلوق سے نسبت دی جائے گی؟ اصل میں بات یہ ہے کہ غافل انسا
زمانے میں اس حقیقت کو فراموش کر جاتا رہا کہ اس کا لقب اشرف المخلو
ہے اور کائنات میں حق تعالیٰ نے اس کو سزاوار نیابت سمجھا ہے یہ خصوصیت
انسانی ہی کو عطا کی گئی تھی کہ اس کے اندر سے انبیاءؑ اور پیغمبر اُٹھائے گئے
اس کی بہت بڑی بدقسمتی ہے۔ کہ چند جہالت پسند افراد نے اس بات کو سرا
سمجھنے کی بجائے الٹا انبیاءؑ کو کسی اور مخلوق سے منسوب کرنا شروع کر دیا

پیغمبر نوع انسانی کے راہ نما بن کر آتے ہیں لیکن اگر وہ انسان ہی نہ
تو پھر وہ کس طرح ایک کامل انسانیت کا نمونہ بن سکتے ہیں؟ اگر وہ غم سے

ں تو غم زدوں کا سہارا کیسے بنیں ؟ بھوک اور پیاس کی تکلیف سے ناواقف ں تو بھوکوں اور پیاسوں کے درد کا مداوا کیسے بنیں ؟ وہ خود چوٹ نہ کھا سکتے ں تو پھر چوٹ کھائے ہوئے دلوں کا آسرا کیسے ہوں ؟ ——— اگر وہ بشر نہ ں تو ہم خدا کے حضور یہ عذر کر سکتے ہیں کہ جس شریعت پر یہ عمل پیرا ہیں ہم ں پر نہیں چل سکتے ——— یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت لئے انہی کے اندر سے پیغمبر مبعوث فرمائے تاکہ یہ عذر ہی باطل ہو جائے ۔

قرآن حکیم میں انبیاءؑ کی بشریت کے متعلق متعدد آیات میں تصریح کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ۔

أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

(اعراف)

"کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس خود تمہاری اپنی قوم کے ایک آدمی کے ذریعہ سے تمہارے رب کی یاد دہانی آئی تاکہ تمہیں خبردار کرے۔ تاکہ تم متقی بنو اور تم پر رحم کیا جائے"

سورہ یوسف میں ہے :-

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ ۝

"اے محمدؐ ! تم سے پہلے ہم نے جو پیغمبر بھیجے تھے وہ سب بھی انسان ہی تھے اور انہی بستیوں کے رہنے والے تھے"

سورہ ابراہیم میں فرمایا :-

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا

"رسولوں نے کہا۔ واقعی ہم کچھ نہیں مگر تم

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ	جیسے انسان لیکن خدا اپنے بندوں
عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۝	سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔"

شرط نجات

ایک روایت کے مطابق آدم علیہ السّلام سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں تشریف لائے ہیں۔ مگر جن انبیاءؑ کے نام صحائف اور تواریخ میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ ان کی تعداد میں بھی حضورؐ کے سوا کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں ہے جس کی شریعت کسی تحریف اور تبدیلی کے بغیر اپنی اصلی شکل میں موجود ہو ـــــ عیسائیت کا دنیا کے چند بڑے مذاہب میں شمار ہوتا ہے مگر اس کی "کتابِ مقدس" کے تاریخی مقام اور مرتبہ کا حال یہ ہے کہ متعدد چھوٹی بڑی انجیلوں میں سے آج عیسائیوں کی عظیم اکثریت صرف چار انجیلوں کو معتبر تسلیم کرتی ہے اور یہ چار انجیلیں بھی وہ ہیں جن کے مصنفین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تک نہیں۔ یہ روایات انہیں کہاں سے معلوم ہوئیں؟ یہ بات بھی نامعلوم ہے۔ بلکہ حد یہ ہے کہ اب تو یہاں تک شُبہ کیا جا رہا ہے کہ جن افراد کی طرف ان چار انجیلوں کو منسوب کیا گیا ہے وہ فی الواقع ان کے مرتب ہیں بھی کہ نہیں انجیل کی اسی "تاریخی حیثیت" کو دیکھتے ہوئے بعض امریکی نقادوں نے تو یہاں تک جسارت کی ہے کہ وہ حضرت مسیحؑ کے وجود میں شک کرنے

لگے ہیں ۔ (خطبات مدراس)

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دوسرے جلیل القدر نبی ہیں لیکن انسے جس کتاب کو منسوب کیا جاتا ہے انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مصنفین کے بقول وہ آپ کے سینکڑوں سال بعد لکھی گئی ہے ـــــ یہ انہی باتوں کا نتیجہ ہے کہ آج انجیل اور تورات میں متعدد ایسے مقامات پائے جاتے ہیں جنہیں انبیاء کی طرف منسوب کرنا ان کی توہین کرنا ہے۔ ان کتابوں میں العیاذ باللہ ان نفوس قدسیہ پر بدکاری تک کے اتہامات عائد کئے گئے ہیں۔ جنھیں پڑھنے کے بعد عقل سلیم فریاد کر اٹھتی ہے ـــــ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ صحائف آسمانی تحریف کی نذر کیوں ہو گئے؟ جب ہم قرآن کی روشنی میں اس سوال پر غور کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ سب کے سب انبیاء کسی خاص وقت کسی خاص قوم اور کسی خاص ملک کے لئے مبعوث ہوئے تھے ان کی شریعتیں عالمگیر نہیں تھیں، اور نہ ان کے بقاء و دوام کی ضرورت تھی اسی لئے یہ بتدریج تحریفات کا مرقع عبرت بن کر رہ گئیں۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن نے اعلان کیا۔

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا نِ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

"اے محمدؐ! کہو کہ اے انسانو! میں تم سبکی طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں۔ جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے"

(الاعراف آیت ۱۵۸)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا بھر کے انسانوں کے لئے ہادی اور رہنما

بنا کر بھیجا گیا مغرب کے لئے بھی اور مشرق کے لئے بھی، عرب کے لئے بھی اور عجم کے لئے بھی۔ دنیا کے تمام انسانوں کے لئے آپؐ پر ایمان لانا شرط نجات قرار دیا گیا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے تمام انبیاؑ سے یہ عہد لیا کہ اگر وہ ان کے عہد میں آجائے تو اس پر ایمان لائیں اور اس کی مدد کریں۔

قرآن کہتا ہے :-

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ

(آلِ عمران)

"جب کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاؑ سے یہ عہد لیا تھا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس خدا کا ایک رسول آئے، جو تمہارے پاس والی کتاب کی تصدیق کرنے والا ہو تو اس پر ایمان لانا اور اس کی نصرت و مدد کرنا۔"

تورات اور انجیل کی شہادت

بعض حضرات کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا نجات کے لئے لازمی شرط نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی آپؐ کی بعثت کے بعد بھی حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت پر عمل پیرا رہے تو قیامت کے روز اس سے مواخذہ نہیں ہوگا افسوس یہ ہے کہ ہندوستان

کے بعض علماء نے بھی کچھ اس سے ملتی جلتی رائے کا اظہار کیا ہے۔ لیکن قرآن و حدیث اور خود آپ کے اور صحابہ کے عمل سے اس نظریہ کی مکمل تردید ہوتی ہے۔

حضرت جابر رضؓ کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"لَا تَسْأَلُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ فَاِنَّهُمْ لَنْ يَهْدُوْكُمْ وَقَدْ ضَلُّوْا فَاِنَّكُمْ اِمَّا اَنْ تُصَدِّقُوْا بِبَاطِلٍ اَوْ تُكَذِّبُوْا بِحَقٍّ فَاِنَّهُ لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ مَا حَلَّ لَهُ اِلَّا اَنْ يَتَّبِعَنِيْ" (مسند احمد)

"اہل کتاب سے دین کی کوئی بات مت پوچھا کرو کیونکہ جو خود گمراہ ہو چکے ہیں وہ بھلا تمھیں کیا راہ دکھلائیں گے۔ اگر تم انکی تصدیق کرتے ہو تو احتمال ہے کہ تم کسی غلط بات کی تصدیق کر بیٹھو اور اگر تکذیب کرتے ہو۔ تو ممکن ہے کسی حق بات کی تکذیب کر دو، آج وہ زندہ ہے کہ اگر خود موسٰے علیہ السلام تم میں زندہ موجود ہوتے، تو انھیں بھی سوائے میری پیروی کے تورات کی پیروی کرنا حلال نہ ہوتا"

قرآن حکیم نے ان لفظوں میں اہل کتاب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی۔

"اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ" (الاعراف)

"جو اس پیغمبر، نبی امی کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے" (الاعراف آیت ۱۵۷)

قرآن نے دعویٰ کیا کہ جو لوگ کتب آسمانی کا علم رکھتے ہیں وہ حضورؐ

کی رسالت کے منکر نہیں ہو سکتے۔ سُورہ رعد میں کہا گیا۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا، قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝ (الرعد)

"یہ منکرین کہتے ہیں کہ تم خدا کے بھیجے ہوئے نہیں ہو کہو" میرے اور تمھارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے اور پھر ہر اس شخص کی گواہی جو کتاب آسمانی کا علم رکھتا ہے۔ (آیت ۴۳)

ان حوالوں سے ثابت ہو گیا کہ حضورؐ کی بعثت کے بعد عیسائیوں اور یہودیوں سمیت ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ آپؐ پر ایمان لائے خود تورات اور انجیل میں ہزار تحریفات کے باوجود آج بھی وہ واضح اشارات موجود ہیں جن میں حضورؐ کی آمد کی بشارت دینے کے بعد آپؐ کی پیروی کرنے کی تلقین کی گئی ہے حضرت امام ابن تیمیہ رح نے ایسی تمام پیشین گوئیوں کو تشریح کے ساتھ اپنی ایک کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ جن کو پڑھنے کے بعد ان "کتاب خوانوں" کی قسمت پر آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے جو ان شہادتوں کے باوجود بھی نعمتِ اسلام سے محروم ہیں۔

تورات استثنا، باب اٹھارہ آیت ۱۵ میں ہے۔

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھریو"

استثنا، باب ۱۸ آیت ۱۸ میں کہا گیا۔

"اور خداوند نے مجھے کہا کہ انھوں نے جو کچھ کیا سو اچھا کیا۔ میں ان

کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا
اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا"
یوحنا کی انجیل میں ہے۔
"جب وہ مددگار وکیل آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا۔ یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا" (باب ۱۵ آیت ۲۶)
اور یہ حوالہ دیکھئے کتنے غیر مبہم انداز میں حضورؐ کی آمد کی بشارت دی گئی:
"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لئے تھی"
(استثناء، باب ۳۳ آیت ۲)

اَمراضِ رُوحَانی کا سب سے بڑا طَبیبْ

ایک حکیم اور ڈاکٹر سے پوچھئے وہ آپ کو بتائے گا کہ ایک بچے، جوان اور سن رسیدہ معمّر آدمی کا علاج کرنے میں ایک ہی نسخہ استعمال نہیں کیا جاتا۔ ایک بچے کے لئے دوا کی جو مقدار ہوتی ہے وہ ایک جوان یا معمّر آدمی کے لئے کام

نہیں دیتی اسی طرح علاج معالجہ کرتے وقت ایک مریض کی طبیعت اور ماحول کو بھی خاص طور پہ پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔ ایک بلغمی مزاج کے آدمی کے لئے دوا اور اس کی مقدار کچھ اور ہے اور ایک صفراوی مزاج کے بیمار کے لئے کچھ اور۔ ایک سرد علاقے کا رہنے والا شخص ایک گرم علاقے میں رہنے والے شخص سے مختلف نوعیت کے معالجاتی مطالبے رکھتا ہے۔ اور اگر ایک ڈاکٹر سے کہا جائے کہ وہ اس فرق کو ذہن میں رکھے بغیر امراض جسمانی کا علاج کرے تو وہ کبھی اس کے لئے تیار نہیں ہوگا۔

اب آپ اسی سے امراض روحانی اور ان کے معالجین کا طریقہ سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ اللہ تعالیٰ دنیا کے آغاز سے ہماری روحانی بیماریوں کو دور کرنے کے لئے اپنے پیغمبر بھیجتا رہا ہے لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آدم اور نوح علیہما السلام کے زمانہ کی شریعت آج بھی انسانیت کے روگوں کا شافی علاج ہے تو یہ اس کی کم فہمی اور ناسمجھی ہوگی۔ انسانیت کے بچپنے میں جو آسمانی شریعتیں نازل کی گئی تھیں وہ اس کے عہد شباب میں کام نہیں دے سکتیں ہر دور کا مزاج اور بیماریاں جدا جدا ہیں اور اگر احوال وظروف اور طبائع کے اختلاف کا لحاظ کئے بغیر ان کا علاج کیا جائے تو وہ کارگر ثابت نہیں ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاءؑ کے عہد تک ذہن انسانی نے اتنی ترقی نہیں کی تھی۔ اس لئے جو شریعتیں ان کو دی گئیں وہ ہمارے دکھوں کا مداوا نہیں ہو سکتیں۔ ضرورت تھی کہ ان کے بعد زمانہ جو ارتقائی منازل طے کرنے والا ہے ان میں رہنمائی دینے کے لئے ایک کامل اور جامع شریعت نازل کی جائے جو رہتی دنیا تک

انسان کی روحانی احتیاجات کی ضامن اور کفیل ہو۔ یہی شریعت خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اور آپؐ کی بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ نے پہلی تمام شریعتیں منسوخ کر دیں۔

اب اگر کوئی شخص حضرت عیسیٰؑ پر حضرت موسیٰؑ پر ایمان لاتا ہے۔ لیکن آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتا ہے تو اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ہم ایک فن کے علماء کو تو مان لیں۔ لیکن اس کے امام اور ماہر خصوصی کی حیثیت تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔ حضرت امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب الجواب الصحیح میں اس کی بعض دلچسپ مثالیں دی ہیں فرماتے ہیں۔

"یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے زفر بن القاسم مزنی اور اثرم تو بڑے فقیہہ تھے لیکن ابو حنیفہ رح شافعی رح اور مالک رح فقیہہ نہیں تھے ــــ یا کہے کہ ملکی اور مسیحی وغیرہ طب کے مصنفین تو بے شک اطباء تھے مگر بقراط و جالینوس وغیرہ طبیب نہیں تھے یا کہے کہ کوشیا اور خلفی تو علم ہیئت سے واقف تھے لیکن بطلیموس وغیرہ کو ہیئت کا کوئی علم نہیں تھا۔ یا کوئی کہے کہ داؤدؑ و یلیخا و عاقوص اور دانیال تو ضرور پیغمبر تھے اور محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہیں تھے اس شخص کا تناقض اور اس کے قول کی نامعقولیت اوپر کے تمام اقوال سے زیادہ روشن ہے۔

(ترجمہ از مولانا ابوالحسن علی ندوی)

انسانیت کا سہارا

دنیا کے لوگ سہاروں کے بڑے قائل ہیں انہیں دولت و ثروت، اعزا و اقربا اور اسباب و وسائل کے سہارے حاصل نہ ہوں تو یہ ہمت ہار بیٹھتے ہیں قدم قدم پر انہیں ان جھوٹے سہاروں کی ضرورت رہتی ہے اور دیکھا جائے تو اس عالم اسباب میں اس کے بغیر کوئی چارہ ہے بھی نہیں ـــــ اور زندگی کا سفر طے کرنے کے لئے آدمی ان بیساکھیوں سے کلیۃً بے نیاز ہو بھی نہیں سکتا۔

مگر تاریخ کی حد تک ایک استثناء اور حیرت انگیز استثناء وہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں پایا جاتا ہے۔ دنیا میں جتنے سہارے شمار کئے جا سکتے ہیں حضورؐ کو ان سب سے محروم رکھا گیا مگر دنیا نے سَر کی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہی بے سہارا جو اس کے نزدیک یتیم عرب کی حیثیت رکھتا تھا، ایک وقت آیا کہ بھولی بھٹکی انسانیت کا سب سے بڑا سہارا بن گیا۔

والد کی شفقت اور محبت کو ترقی کا زینۂ اول سمجھا جاتا ہے وہ آپکو میسّر ہی نہیں ہوئی والدہ کی شکل میں اس کمی کے پورا ہونے کا امکان تھا مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد والدہ کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔ دادا نے چاہا کہ وہ آپ کو سینہ سے لگائے اور پیار سے رکھے مگر "دستِ غیب" محمدؐ کے معاملے میں دنیا کے کسی سہارے کی شراکت برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا وہ بھی خدا کو پیارے ہوئے اور اب یہ بچہ نہ ماں باپ رکھتا تھا نہ شفیق و

خلیق دادا کی سرپرستی اسے حاصل تھی۔ مہربان چچا آگے بڑھے اور کوئی شک نہیں کہ انھوں نے دل جوئی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں رکھا۔ لیکن تاریخ سے پوچھو تاریخ بتائے گی کہ اس کا ـــــ جسے آدمیت کا سہارا بننا تھا سہارا وہ بھی نہیں بن سکے۔ تاریخ گواہ ہے کہ آپؐ بکریوں اور اونٹوں چَرا کر جو معاوضہ پاتے تھے اس سے ابوطالب کا گزارا چلتا تھا اور آپؐ کے چچا کی یہ حالت تو تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ انھوں نے معاشی پریشانیوں کی وجہ سے اپنے ایک لختِ جگر جعفر طیار کو اپنے بھائی حضرت عباسؓ کے حوالے کر دیا تھا ـــــ اس حالت کے ہوتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ حضورؐ کا سہارا بن سکتے تھے بلکہ بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو یہ ضرور ہے کہ آپؐ چچا کی معاشی زندگی کا سہارا بن گئے۔

دنیا والے علم و فضل کے لئے مکتب و مدرسہ کی سند کے محتاج ہیں وہ کسی عالم اور فاضل کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرتے ہیں تب کہیں آدابِ زندگی سیکھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ مگر یہاں معاملہ ہی دوسرا تھا۔ آپؐ کی تعلیم و تربیت براہِ راست خالقِ اکبر کے ذمے تھی اور اس نے دکھا دیا کہ محمدؐ نے اس پہلو میں بھی کسی معلّم اور کسی مکتب کو سہارا نہیں بنایا ہم دولت کی پوجا کرتے ہیں اور اس کے لئے کیا کیا پاپڑ نہیں بیلتے روپیہ ہمارے نزدیک کامیابی کی کلید ہے یہ نہ ملے تو ترقی کا دروازہ ہمارے لئے مقفل رہتا ہے اور مل جائے تو پھر ہم اسے ٹھاٹھ باٹھ جمانے اور رعب گانٹھنے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ مگر تم دیکھو گے کہ محمدؐ کو حضرتِ خدیجہؓ سے نکاح کے بعد یہی دولت ملی مگر انھوں نے اسے جاہ و منزلت کے حصول کے لئے سہارا بنانے کی بجائے غریبوں اور بیواؤں اور

یتیموں میں لٹا دیا۔

ہم قوم اور وطن کو فرد کی کامیابی اور کامرانی میں بڑا دخیل مانتے ہیں خاکِ وطن کا ہر ذرّہ ہمارے لئے دیوتا کا مقام رکھتا ہے۔ مگر یہاں دیکھو گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم میں پیدا ہوئے وہ قوم کی حیثیت سے اپنا کوئی وجود ہی نہیں رکھتی تھی۔ وہ قبیلوں میں اور گروہوں میں بٹی ہوئی ایک بھیڑ تھی جس کے تصورات پست تھے اور عادات قبیح و شنیع تھیں۔ اور وطن ایک ایسی سرزمین تھی جو وادیٔ غیر ذی زرع کہلاتی تھی۔ جس میں لُو کے جھکڑ چلتے تھے اور جو ٹیلوں اور پتھروں کے علاوہ اپنے دامن میں کچھ رکھتی ہی نہیں تھی ——— ان حالات میں کون کہہ سکتا ہے کہ آپؐ کو جو محیر العقول کامیابی حاصل ہوئی۔ اس میں قوم اور وطن کی موزونیت کا بھی کچھ ہاتھ ہوگا؟

یوں آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دنیا میں جتنے سہارے اور آسرے گنے جاتے ہیں، ان میں سے ایک سہارا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل نہیں تھا۔ مگر اس کے باوجود آپؐ کو جو کامیابی نصیب ہوئی، آپ جو تعلیمات لے کر آئے جس علم و فضل کا مظاہرہ کیا دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ سوچیے!

کیا یہی ایک دلیل آپؐ کی صداقت کا اعتراف کرانے کیلئے کافی نہیں ہے؟

رسالتِ محمدیؐ کا ثبوت

دنیا میں جتنے پیغمبر تشریف لائے ہیں ان سب کو منکرین نبوت کی آنکھیں کھولنے کے لئے مختلف معجزات عطا ہوئے مگر آج وہ واقعہ کی حیثیت سے ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں۔ ان کا علم کتب آسمانی یا تاریخ سے ہوتا ہے مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات ایسے بھی ہیں جو آج تک موجود ہیں اور یقیناً رہتی دنیا تک موجود رہیں گے۔ منکرین حق چاہیں تو آج بھی انہیں دیکھ کر رسالتِ محمدیؐ کا ثبوت حاصل کر سکتے ہیں۔

سب کو معلوم ہے کہ حضورؐ اُمّی تھے آپؐ نے کسی سے ایک لفظ تک نہیں سیکھا، شعر و ادب کی مجلسوں تک سے نفور رہے کسی مدرسہ میں آپؐ نے داخلہ نہیں لیا۔ نبوت سے قبل کی زندگی بھی اس پاکبازی سے گذاری کہ دوست دشمن آپؐ کی صداقت اور دیانت کے معترف تھے ایسے میں اچانک چالیس سال کے بعد دنیا نے آپؐ کی زبانِ مبارک سے وہ کلام الٰہی سُنا جس کی فصاحت و بلاغت اور تعلیم و حکمت اپنی نظیر آپ ہے۔ ایک ایسی کتاب جو علوم اولین و آخرین کی جامع ہے جس میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں بہترین ہدایات ہیں۔ اور جس میں فرد سے لے کر ریاست تک کے لئے ایک بہترین نظام حیات ہے۔

ایک اُمّی کیسے پیش کر سکتا تھا۔ شبہ کرنے والوں نے شبہ کیا کہ شاید یہ بھی کوئی انسانی تصنیف ہے مگر خود قرآن نے چیلنج دیا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝ (بقرہ)

"اگر تم کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندۂ خاص پر تو اچھا تم بنا لاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو اور بُلا لو اپنے حمائیتوں کو خدا سے جو الگ ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو پھر ذرا بچتے ڈرتے رہو دوزخ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔"

اس چیلنج کے مخاطب اول وہ لوگ تھے جن کی فصاحت اور بلاغت کا دنیا لوہا مانتی تھی۔ جنھیں اپنی زبان دانی اور لسانی کا اتنا غرّہ تھا کہ وہ اپنے سوا دوسروں کو "گونگا" کہتے تھے —— یہ لوگ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی دشمنی میں خون کے دریا عبور کرنے کے لئے تیار تھے مال و دولت خرچ کر رہے تھے اور قرآن کے اس چیلنج کے بعد ان کے لئے یہ ایک سنہری موقع تھا کہ وہ آپ کو شکست دے سکیں۔ مگر ان کی زبانوں پر مُہر لگ گئی اور بار بار کے چیلنج کے باوجود وہ اس کی نظیر پیش نہ کر سکے۔

فصاحت و بلاغت ہی نہیں علم و حکمت کے اعتبار سے بھی قرآن نے یہ چیلنج دیا مگر عہدِ نبویؐ پر موقوف نہیں آج چودہ صدیاں گذر جانے کے باوجود

بھی دنیا اس کا جواب پیش کرنے سے قاصر ہے، مستشرقین ہی کو لے لیجئے انھوں نے اسلام دشمنی میں آکر کیا کچھ نہیں کیا۔ اتہامات لگائے، مغالطے پیدا کرنے کی کوشش کی مگر قرآن کے اعجازِ بیان اور حسنِ معنی کے آگے وہ بھی سر جھکانے پر مجبور ہو گئے حال ہی میں انگلستان سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ (WHAT HAPPENED IN HISTORY) اس کتاب میں جہاں دوسرے مذاہب اور عقائد پر بحث کی گئی ہے وہاں اسلام کا بھی ذکر آیا ہے۔ قرآن کے متعلق مضمون کی ابتدا ہی میں مصنف لکھتا ہے۔

"قرآن کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات ماننی پڑے گی کہ اس کا مصنف خواہ کوئی ہو اپنے زمانہ ہی کا نہیں بلکہ بہت سے زمانوں کا ایک زبردست معلم ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن کا مصنف ایک برہانی اور عقلی دماغ کا "انسان" ہے وہ اپنے ہر مضمون میں اس بات کی بڑی احتیاط کرتا ہے کہ کوئی دعویٰ بلا دلیل نہ ہو ـــــ اس کا انداز فکر اس حکیم سے ملتا ہے جو صرف کائنات پر غور کرتا ہے اور اس سے نتائج اخذ کرتا ہے قرآن کی یہ خوبی پہلے تو انسان کو حیرت میں ڈالتی ہے، پھر اسے اپنی طرف کھینچتی ہے اور آخر میں اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے"۔

قرآن کا اعجاز

دنیا میں متعدد کتابوں نے اپنے قارئین سے خراجِ تحسین وصول کیا ہے ان گنت تحریریں انسانی مزاج اور عادات واطوار پر اثر انداز بھی ہوئی ہیں۔ لیکن قرآن نے انسانی زندگی میں جو حیرت انگیز انقلاب پیدا کیا ہے۔ اس کی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ یہی وہ کتاب ہے جس نے اونٹ چرانے والوں کو انسانوں کا گلہ بان اور جہالت میں ڈوبے ہوئے بدوؤں کو دنیا بھر کے لئے معلّمِ اخلاق بنایا اس نے ایک طرف خالد۔ طارق اور محمد ابن قاسم جیسے سپہ سالار پیدا کئے تو دوسری طرف علیؓ، عائشہؓ، ابن مسعودؓ اور ابن عباس جیسے علماء و فضلاء ابو بکر صدیقؓ عمر فاروقؓ اور عمر ابن عبدالعزیز جیسے حکمران بھی اسی کے سرچشمۂ فیض سے سیراب ہوئے اور حضرت ابوذرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ جیسے درویش بھی اسی کے جمالِ جہاں آراء سے مستنیر ـــــ سورج اور چاند کی روشنی تو زیادہ سے زیادہ ظاہری اندھیروں کو ختم کرتی ہے مگر قرآن وہ نور ہے جس نے دلوں کی ظلمتیں بھی دور کر دیں اور انسانوں کے ظاہر ہی نہیں باطن بھی منوّر کر دیئے۔

دنیا کی دوسری قومیں بھی اپنے "صحائف" اور متبرک کتابوں کو مقدس مانتی ہیں مگر قرآن نے انسانی قلوب پر اپنی تقدیس عظمت کا جو نقش قائم کیا ہے، اسے خنجر و شمشیر سے بھی نہیں کھُرچا جا سکتا۔ کون سی وہ کتاب ہے جس نے اپنے ماننے والوں کو اس حد تک مسخر کیا ہو کہ وہ اس کے لکھنے کا معاوضہ بھی

قبوں کرنے سے احتراز کرتے ہوں" اورنگ زیب عالمگیر کا ایک وصیت نامہ بزبانِ فارسی اورنگ آباد دکن میں آج تک محفوظ ہے جس میں انھوں نے بتلایا کہ میرے ترکہ میں نقد روپیہ کی تفصیل یہ ہے۔ فلاں بی بی کے پاس اتنے درہم ہیں جو میں نے رومال اور ٹوپیوں کی کشیدہ کاری کر کے کمائے ہیں۔ فلاں کے پاس اتنے درہم ہیں جو قرآن مجید کی کتابت کی مزدوری سے حاصل کئے ہیں۔ یہ رقم اگرچہ کچھ زیادہ ہے لیکن میرا دل نہیں چاہتا کہ اللہ کی آیات لکھ کر فروخت کرنے سے جو رقم حاصل ہوئی اس سے مجھ پر کفن ڈالا جائے اگرچہ حقیقتاً یہ آیات الٰہیہ کی بیع ممنوع میں داخل نہیں۔ مگر صورت اس کے مشابہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کے وقت اس قسم کا کفن ہونے سے مجھے شرم آتی ہے۔ اسلئے دوسری رقم جو رومال اور ٹوپیوں کی مزدوری سے حاصل شدہ ہے وہ اگرچہ کم ہے مگر اس سے معمولی قسم کا کپڑا خرید کر میرا کفن بنایا جائے۔"

(معارف القرآن از مولانا مفتی محمد شفیع)

فقط قرآن ہی وہ کتاب ہے جس کے متعلق اس کے ماننے والوں کا یہ اعتقاد ہے کہ اس کی آیات پڑھ کر یا سُن کر کوئی معاوضہ لینا ناجائز ہے ـــــ آپ سوچیں گے تو اسی نتیجے پر پہونچیں گے کہ یہ اثر انگیزی اور یہ احترام اور تقدس محض قرآن کے الہامی کتاب ہونے کے باعث ہے اور اسی وجہ سے منکرینِ رسالت آج تک اس کے چیلنج کا جواب دینے سے عاجز و قاصر ہیں۔

(۲)

دنیا میں جن کتابوں کے الہامی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے ان سب میں

اصل متن کی حفاظت کے لحاظ سے بھی قرآن ایک مابہ الامتیاز حیثیت کا حامل
ہے۔ اللہ تعالےٰ نے خود اس بات کا ذمہ لیا کہ اے پیغمبر تجھ پر جو "ذکر" نازل
کیا جارہا ہے اس کی حفاظت ہم خود کریں گے ـــــ یہ اہتمام کسی کلام کو
نصیب ہو سکا کہ اس کا نقطہ بہ لفظ ہزاروں سینوں میں محفوظ کر لیا جائے
یہ خصوصیت فقط قرآن کو حاصل ہے۔ کہ یہ عہد نبوی سے لے کر اس عہد تک
ہر دور میں ہزاروں انسانوں کے نوکِ زبان رہا ہے اور آج خدانخواستہ
دنیا سے قرآن کے سارے نسخے غائب بھی ہو جائیں تب بھی چند حفاظ کی مدد
سے اسے پھر سے شوشہ بہ شوشہ اور حرف بحرف لکھ کر پیش کیا جا سکتا ہے۔

پھر خاتم الانبیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم الشان
معجزہ کا ایک پہلو اور بھی ہے ـــ سب کو معلوم ہے کہ مکہ سے ہجرت کرنے کے
بعد مدینہ میں مسلمانوں کو آزادی کے دس سال گذارنے کا موقع ملا۔ ان
دس سالوں میں بھی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو چھ سال جہاد و قتال میں صرف
ہو گئے اور یہود اور کفار و منافقین کے ساتھ بیشتر معرکے اسی زمانے میں
پیش آئے۔ اس حساب سے مدینہ میں آنحضورؐ کو قرآن کی بنیادوں پر ایک
نظام حکومت قائم کرنے کے لئے صرف چار سال مہلت ملی مگر اس مختصر سے
عرصہ میں جو نظام قائم ہوا اپنے تو اپنے غیر بھی اس کے معترف ہیں کہ اس
آسمان کے نیچے وہ ایک لاجواب اور بے مثال نظام تھا۔ حکومتوں کی عملداری
صرف جسموں پر قائم ہوتی ہے مگر قرآن کی بنیاد پر جو حکومت قائم ہوئی تھی
روحوں کی دنیا میں بھی اس کا قانون نافذ ہوا۔ دن کے اجالے میں اور

رات کی تاریکی میں کھلے اور چھپے ہر مقام اور ہر وقت میں اس حکومت کی رعایا نے شریعت کا احترام کیا اور تنہائی میں قانون کی خلاف ورزی کرنے والے حاکم وقت کے پاس خود چل کر آئے کہ سزا دی جائے۔

پھر ــــ قرآن نے نظام حکومت کے چلانے کے لئے جو راہنمائی دی ہے وہ کسی خاص وقت اور مقام تک محدود نہیں۔ آج بھی اس سے فائدہ اٹھایا جائے تو انسانی زندگی تمام فتنوں اور مصیبتوں سے پاک اور صاف ہو جائے۔

(WHAT HAPPENED IN HISTORY) کا مصنف لکھتا ہے۔

"میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ یورپ کے معاہدے، یورپ کی دفاعی تدابیر یورپ کا سیاسی اتحاد اور بین الاقوامی پارلیمنٹ یا حکومت کی تجویز اور دوسری تمام تدابیر ناکام رہیں گی اگر اس کی بنیادوں میں خدا کے تصور اور اخلاقی قدروں کو جگہ نہ دی گئی جہاں عالمی امن کے لئے بہت سے نسخے آزمائے گئے ہیں وہاں مذہب کا یہ نسخہ بھی آزما کر دیکھ لینا چاہئے۔ اگر اس کے لئے کوئی تیار ہو تو میں مشورہ دونگا کہ وہ اس سلسلہ میں قرآن کو ہرگز نظر انداز نہ کرے کیونکہ اس راہ کی راہنمائی اس کتاب سے بہتر کوئی اور کتاب انجام نہیں دے سکتی"

اعجاز قرآنی کا یہی وہ پہلو تھا جسے دیکھ کر انگلستان کا مشہور مؤرخ گبن بے اختیار پکار اٹھا۔

"قرآن کی نسبت بحر اطلانٹک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے کہ یہ پارلیمنٹ کی روح ہے۔ قانون اساس ہے اور صرف اصول مذہب ہی کے لئے نہیں بلکہ احکام تعزیرات کیلئے اور قوانین کے لئے بھی ہے ـــــ حقیقت یہ ہے۔
کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سب پر حاوی ہے، یہ شریعت ایسے دانش مندانہ اصول اور اس قسم کے قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہاں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی"

(سلطنت روما کا انحطاط و زوال جلد ۵ باب بحوالہ شہادت الاقوام صفحہ ۱۵)

اعجاز قرآنی کے انہی چند گوشوں پر نظر ڈال لی جائے تو آنحضورؐ کی صداقت کا ایک واضح ثبوت مل جاتا ہے۔ اور دل کی گہرائیوں سے آواز آتی ہے کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

اسوۂ حسنہ

تاریخ میں آج تک ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا۔ جس سے یہ ثابت ہو کہ مجرّد کسی کتاب نے دنیا میں انقلاب برپا کیا۔ انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ اس وقت تک کسی اصول سے صحیح معنوں میں متاثر نہیں ہوتا۔

جب تک اس کا کوئی عملی نمونہ اس کے سامنے نہ آجائے۔ قرآن آج بھی موجود ہے لیکن مسلمانوں کی زندگی میں صحابہ کے کردار کی جھلک تک نہیں پائی جاتی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن میں اب وہ انقلاب انگیز اثرات و خصوصیات باقی نہیں رہیں۔ نہیں وہ جوں کی توں موجود ہیں اور ابد تک موجود رہیں گی۔ مگر فرق صرف یہ واقع ہو گیا ہے کہ ہمیں اس معلّم اور مزکّی کی معیت حاصل نہیں جس کی حیات پاک کا ایک ایک لمحہ قرآن کی زندہ تشریح و تفسیر تھا۔ خود قرآن نے کہا۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ	وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ	رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا جو
اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ	ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ	انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و
كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ	حکمت سکھاتا ہے اور بے شک اس سے
مُّبِیْنٍ ۝ (الجمعۃ ع ۱)	پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے (الجمعہ ع ۱)

اب اگر اس کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے تو صرف اس طرح کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور ارشادات کو آپؐ کی زندگی کا قائم مقام بنایا جائے اور ان کی روشنی میں قرآن کو زیر عمل لایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے فرمایا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ عمل ہے" (احزاب ع ۲)

آپ یہ نمونۂ عمل دیکھنا چاہیں تو قدم قدم پر سید البشر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی آپ کو راہنمائی دے گی۔

دنیا میں بہت سے لوگوں نے وعظ کہے ہیں اور بڑے اچھے انداز میں کہے ہیں اصول پیش کئے ہیں اور سنہری اصول پیش کئے ہیں مگر بہت کم ایسے ہیں جنھوں نے ان پر عمل کر کے دوسروں کے لئے آسانیاں پیدا کی ہوں، یہ شان آپ کو اس معلم انسانیت کی زندگی میں نظر آئے گی کہ جو بات فرمائی سب سے پہلے اس پر عمل فرمایا۔ آپؐ نے یہ تعلیم دی کہ پانچ وقت کی نماز پڑھنی چاہئے۔ مگر آپؐ خود صرف پانچ وقت کی نہیں آٹھ وقت کی نماز ادا فرماتے تھے۔ چاشت، اشراق اور تہجد کے نوافل پانچ نمازوں کے علاوہ تھے۔ اور نمازیں بھی کیسی نمازیں کہ صحابہؓ کہتے ہیں۔ نماز پڑھتے وقت ہم آپؐ کے سینہ کی آواز اس طرح سنتے تھے جیسے ہانڈی میں ابال آتا ہے۔ نمازوں میں رونے کی وجہ سے آپؐ کے سینۂ مبارک میں چکی چلنے کی آواز آتی۔ رات رات بھر خدا کے حضور مصلے پر کھڑے رہتے۔ یہاں تک کہ پاؤں سوج جاتے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ حضرت عائشہؓ عرض کرتی ہیں یا رسول اللہ! آپ تو معصوم ہیں آپ کو اس عبادت و ریاضت کی کیا ضرورت ہے اور حضورؐ فرماتے۔ اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ (کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں)

آپؐ نے یہ اصول دیا کہ سال بھر میں ایک ماہ کے روزے رکھنے چاہئیں مگر خود اپنا عمل یہ تھا کہ سال میں کوئی مہینہ بلکہ کوئی ہفتہ ایسا نہیں گذرتا تھا جسمیں حضورؐ روزے سے نہ ہوں۔ اور روزے بھی ایسے روزے کہ ایک دن نہیں مسلسل

دو دو تین تین دن بن کھائے پئے گذر جاتے۔ صحابہؓ عرض کرتے یارسول اللہ کیا اس سلسلے میں ہم بھی آپ کی پیروی کریں اور حضورؐ جواب دیتے۔ نہیں تم اس معاملے میں میری پیروی نہیں کر سکتے۔ مجھے تو میرا آقا و مولا کھلا پلا دیتا ہے۔

(۲)

حضورؐ نے اگر یہ ہدایت فرمائی کہ دنیا میں رہ کر عالمِ آخرت کو مستحضر رکھنا چاہیئے تو اپنا عمل یہ تھا کہ پیشاب سے فارغ ہوتے اور تیمم فرما لیتے۔ ابن عباس رضؓ عرض کرتے یارسولؐ اللہ پانی تو یہاں قریب ہی موجود ہے اور حضورؐ فرماتے کیا معلوم پانی تک پہونچنے سے قبل ہی موت آجائے۔ زہد و قناعت کی تلقین فرمائی تو یہ نمونہ پیش فرمایا کہ سلطانِ عرب ہونے کے باوجود چٹائی پر سوتے اور اٹھتے تو آپؐ کے جسم مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑ جاتے۔ صحابہؓ عرض کرتے یارسول اللہ اجازت ہو تو ہم آپ کے لئے ایک بچھونا تیار کر لیں تو آپ فرماتے مجھے دنیا سے کیا کام میری مثال تو اس مسافر کی ہے جو تھوڑی سی دیر کے لئے درخت کے سائے تلے آرام کرے اور پھر اس کو چھوڑ کر چل دے ـــــ دنیا نے فقر اور درویشی کے کئی مناظر دیکھے ہوں گے مگر یہ کم دیکھا ہوگا کہ سرورِ کائناتؐ کی لختِ جگر آئے۔ باپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ہاتھ کے چھالے دکھائے، کہا "ابا جی! دیکھئے چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے ہیں۔ مشکیں ڈھوتے ڈھوتے جسم پر داغ پڑ گئے ہیں مجھے بھی خادمائیں عطا ہوں" اور حضورؐ ارشاد فرمائیں "فاطمہؓ! یہ خادمائیں تمہیں نہیں مل سکتیں۔ یہ تو مدینے کے غربا اور محتاج کے لئے ہیں۔

کون ہے جس کو مال و دولت اور سیم و زر کی پیش کش کی گئی ہو اور وہ اس پر زہد کی زندگی کو ترجیح دے۔ حضورؐ فرماتے ہیں "حق تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کے اس پتھریلے میدان کو سامنے کر کے مجھ کو یہ اختیار دیا تھا کہ اگر میں پسند کروں تو وہ اپنی قدرت سے اس کو سونا بنا دے" میں نے عرض کیا۔

"پروردگار! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن شکم سیر رہوں تو ایک دن بھوکا بھی رہوں۔ جب بھوکا ہوں تو تیرے سامنے گریہ وزاری کروں اور تیری یاد کروں اور جب شکم سیر ہوں تو تیری حمد و ثنا کروں اور تیرا شکر بجا لاؤں۔" (احمد و ترمذی)

حضورؐ نے اگر طلب علم کی نصیحت فرمائی اور یہ کہہ کر فرمائی کہ اس کیلئے چین بھی جانا پڑے تو بھی گریز نہ کرو۔ تو علم کے لئے ذوق و شوق کی یہ عملی مثال بھی دنیا کے سامنے پیش کی کہ ابتدا میں جب کبھی وحیِ الٰہی کا سلسلہ کچھ مدت کیلئے رُک جاتا۔ آپ سخت بے چین ہو جاتے اور ایسا لگتا جیسے آپ زندگی سے بیزار ہیں خود قرآن نے شہادت دی۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ

(قیامہ ۱۶)

"قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو اس لئے حرکت نہ دیجئے کہ آپ اسے جلد اخذ کر لیں یقیناً اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے تو جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اس پڑھنے کی پیروی کریں پھر ہمارے ہی ذمے اس کی تشریح بھی ہے۔"

دنیا نے زبان مبارک سے قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ کے الفاظ سنے تو یہ کردار بھی دیکھا کہ پتھر کھائے جا رہے ہیں۔ طعنے سہے جا رہے ہیں نظر بندی کی تکلیفیں برداشت کی جا رہی ہیں چوٹی سے ایڑی تک خون کی تلیاں بہ رہی ہیں مگر ایسے میں بھی استقامت و عزیمت میں فرق نہیں آتا۔ حضرتِ حق سے کوئی شکوہ شکایت نہیں التجا ہوتی ہے تو صرف یہ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ "اے رب! میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ لوگ نہیں جانتے"

رسالتِ محمدیؐ کی امتیازی حیثیت

ہم جس دنیا میں بس رہے ہیں یہ دنیا مختلف النوع طبقات انسانی پر مشتمل ہے اس میں وہ لوگ بھی ہیں جن میں علم و فضل کا شہرہ ہے اور وہ بھی ہیں جو اپنی استعداد کے لحاظ سے بالکل جاہل اور بے علم ہیں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو ہر بات کو دلیل کی کسوٹی پر جانچتے اور پرکھتے ہیں اور ایسے افراد بھی بہت تعداد میں ہیں جن کی طبیعتیں خرق عادت افعال دیکھے بغیر مطمئن نہیں ہوتیں یہاں بادشاہ بھی رہتے ہیں اور گدا بھی اور دیکھا جائے تو یہی وہ تنوع اور اختلاف ہے جس پر اس عالم رنگ و بُو کی تمام تر رعنائیوں کا دارومدار ہے۔

دنیا کی اس رنگا رنگی کے پیش نظر عقل تقاضا کرتی ہے کہ جس شخصیت کو

آدمیت کے لئے کامل نمونہ ہونے کا مقام حاصل ہو۔ وہ کسی ایک طبقہ اور گروہ ہی کے لئے اپنی زندگی میں راہنمائی کا سامان نہ رکھتی ہو بلکہ اس کے آفتاب سیرت کی ضو پاشیاں ہر کہ ومہ کے لئے عام ہوں وہ پستیوں کو بھی اسی طرح جگمگا دے جس طرح بلندیوں کو، عالموں اور فاضلوں کے لئے بھی اس کے روشن کردار میں "برہان رسالت" ہو اور جاہلوں اور بدوؤں کے لئے بھی طمانیت قلب کا سامان وہ صرف بڑے بوڑھوں ہی کو متاثر نہ کرے۔ بلکہ اس کی پاک زندگی میں نوجوانوں کے لئے بھی ایک بہترین نمونۂ عمل ہو وہ بادشاہ وگدا اور امیر وغریب کو یکساں مستفیض ومستفید فرمائے

حبش کا عیسائی بادشاہ نجاشی شاہانہ رنگ استدلال سے نبی آخر الزماں کی صداقت کا ثبوت چاہتا ہے تو وہ مطمئن ہوجاتا ہے ایک بدو کی سطحیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ درخت خود چل کر آپ کے پاس آجائے تو اس کی تشفی یہی معجزہ دکھا کر کی جاتی ہے ایک "کتابیہ" زہر دے کر آزمانا چاہتی ہے کہ دیکھوں آپ کو اس کا کس طرح پتہ چلتا ہے؟ اور حضورؐ یہ فرما کر کہ گوشت کے اس ٹکڑے نے مجھے زہر کی اطلاع دی ہے اسے بھی رسالت کا حلقہ بگوش بنا لیتے ہیں کوئی اعجوبہ پسند طبیعت کنکریوں کی شہادت چاہتی ہے تو دست مبارک کی کنکریاں آپ کی سچائی کا اعتراف کرا اٹھتی ہیں۔ سلمانؓ فارسی آسمانی کتابوں کی روشنی میں تلاش حق کو نکلتے ہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ان کے لئے بھی گوہر مقصود بن جاتی ہے کچھ وہ بھی ہیں کہ جن کے لئے روئے آوازو پیمبر معجزہ است ــــ" وہ آپ کی شکل دیکھتے ہیں اور کہہ اٹھتے ہیں"

"کہ خدا کی قسم یہ چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا نہیں ہو سکتا۔"

غرضیکہ آنحضورؐ کی پاک زندگی ہر استعداد اور ہر صلاحیت کے آدمی کو مطمئن کرتی ہے۔ اور انسانی زندگی کے سارے طبقات اس چشمۂ صافی سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔

۲

دنیا میں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ سمیت جتنے بھی انبیاءؑ تشریف لائے ہیں ان کی زندگی کے بہت کم حالات ہمارے سامنے ہیں بعض تو وہ ہیں جن کے ناموں کے سوا اور کچھ معلوم ہی نہیں مگر جن کے متعلق دنیا کچھ جاننے کا دعویٰ کر سکتی ہے ان کے متعلق بھی گنتی کے چند واقعات کے سوا باقی ماندہ تفصیلات ناپید ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ دنیا کے دو عظیم مذاہب کے بانی سمجھے جاتے ہیں اور ان کے "پیروؤں" کی بڑی بھاری تعداد آج بھی روئے زمین پر موجود ہے مگر خود ان کی زندگی کے بھی بہت کم اجزاء محفوظ رہ سکے ہیں اور سچ پوچھئے تو ان اجزاء کو بھی محفوظ نہیں کہا جا سکتا۔ توراۃ جس سے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کا سراغ ملتا ہے اس کے متعلق خود یہودی بتاتے ہیں کہ وہ کئی بار دنیا سے غائب کر دی گئی۔ اس کے تمام نسخوں کو متعدد مرتبہ جلایا گیا۔ یہاں تک کہ اب صرف اس کے ترجمے باقی ہیں۔ اصل کتاب بے نشان ہو کر رہ گئی ہے اور عجیب ستم ظریفی یہ ہے کہ اس توراۃ میں جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب مانا جاتا ہے حضرت موسیٰؑ کی تجہیز و تکفین کے قصے درج ہیں۔

انجیل جو حضرت عیسیٰؑ کی سیرت کا واحد ماخذ بن سکتی تھی۔ اس کی صحت کا حال کچھ اس سے بھی خراب تر ہے۔ یہ ذکر پہلے ایک مضمون میں ہو چکا کہ عیسائیوں کے ہاں سینکڑوں بلکہ ہزاروں انجیلیں پائی جاتی ہیں مگر آج ان میں صرف چار انجیلوں کو معتبر مانا جاتا ہے اور یہ چار انجیلیں بھی کیسے منتخب ہوئیں۔ یہ واقعہ بھی سننے سے تعلق رکھتا ہے ۳۲۹ء میں قسطنطین اعظم نے مشرقی روم کے ایک شہر "فیلس" میں پادریوں کی ایک کانفرنس منعقد کی جس میں تین سو پادری اطراف واکناف سے شریک ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ کی صدارت میں مسلسل دو مہینہ تک کانفرنس کے اجلاس ہوتے رہے اور اسی میں یہ عجیب وغریب واقعہ پیش آیا کہ ایک گرجا میں تمام انجیلیں ڈھیر کر دی گئیں اور پادری سجدے میں گر کر دعائیں مانگتے رہے کہ اے رب! جو انجیلیں جھوٹی ہیں وہ گر جائیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا منظور کی اور چار انجیلوں کے سوا باقی تمام انجیلیں گر گئیں۔ اس کے بعد سے یہی چار انجیلیں مستند و معتبر سمجھی جاتی ہیں۔

جن کتابوں کے "استناد" کا عالم یہ ہو اول تو ان پر اعتماد کیا ہی نہیں جا سکتا۔ لیکن بفرض محال انہیں موجودہ شکل میں سچا تسلیم کر بھی لیا جائے تب بھی ان سے ان جلیل القدر انبیاءؑ کے احوال اور تذکرے مرتب نہیں ہو سکتے تورات کی اطلاع کے مطابق حضرت موسیٰؑ کی عمر ایک سو بیس برس میں چند موٹے موٹے واقعات کے علاوہ ہمیں ایک خلاء ہی خلاء نظر آتا ہے حضرت موسیٰؑ کی روزمرہ کی زندگی، معاملات و تعلقات کہیں زیر بحث نہیں آتے۔ انجیل

میں حضرت عیسیٰؑ کی عمر ۳۳ سال بیان کی گئی ہے مگر ان ۳۳ سالوں میں صرف آخری تین سالوں کے حالات انجیلوں سے معلوم کئے جا سکتے ہیں بقیہ زندگی پر تاریکی کے "دبیز" پردے پڑے ہوئے ہیں مگر جب وہ آیا جس کے متعلق مسیح یہ کہہ کر دنیا سے تشریف لے گئے تھے کہ۔

"میرا جانا ہی تمہارے لئے بہتر ہے کیوں کہ آنے والا میرے جانے کے بغیر نہیں آئے گا۔"

تو اس کی زندگی کی جملہ تفصیلات کو نوعِ انسانی کی متاعِ عزیز مان کر رہتی دنیا تک کے لئے ہر التباس اور ہر شک و شبہ سے محفوظ کر دیا گیا۔

وہ پاکباز انسان جنھوں نے گلشنِ انسانیت کے اس گلِ سرسبد کی بو باس کو سونگھا اور سونگھ کر ہم تک پہونچایا ایک لاکھ سے زیادہ شمار کئے گئے ہیں۔

تذکرہ رسالت کے ایک ایک واقعہ کو عموماً آٹھ آٹھ دس دس راویوں نے بیان کیا ہے اور تاریخ کا یہ عظیم و جلیل تذکرہ اتنا مکمل اور اتنا جامع و مانع ہے کہ گو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن آج بھی آپؐ کی پاک زندگی کا گوشہ گوشہ ہمارے سامنے کھلی ہوئی کتاب کے مانند موجود ہے۔ یہاں کوئی سوال ایسا نہیں جس کا جواب نہ ملتا ہو۔ کوئی شبہ ایسا نہیں جو دور نہ ہوتا ہو۔ آپ چاہیں تو یہ تک معلوم کر سکتے ہیں کہ حضورؐ بالوں میں کنگھا کس طرح فرماتے تھے۔ حضورؐ سرمہ کس طرح ڈالتے تھے۔ حضورؐ کا جوتا کس طرح کا تھا اور حضورؐ کا پسینہ کیسا تھا یہ اور اس طرح کی تمام جزئیات آپکو مرتب شکل میں مل سکتی

ہیں۔ جناب رسالت مآب کی یہ وہ امتیازی شان ہے جسے باسورتھ سمتھ نے دیکھا تو یہ کہنے پر مجبور ہو گیا۔

"کوئی شخص یہاں (محمدؐ کی سیرت) کے متعلق نہ خود کو دھوکہ دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو دے سکتا ہے کہ یہاں دن کی پوری روشنی ہے۔"

(لائف آف محمدؐ صفحہ ۱۰۸)

اور پھر انہی تذکروں پر موقوف نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ یہ تذکرے بھی نہ ہوتے تب بھی تنہا قرآن سے آپؐ کی زندگی پر اتنی روشنی پڑجاتی ہے کہ کوئی چاہے تو فقط اسی سے آپؐ کی سیرت مرتب کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ام المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ سے آپؐ کی سیرت کے متعلق استفسار کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا۔ کَانَ خُلُقُهُ قُرْاٰن ___ آپؐ کے اخلاق (کی تصویر) قرآن ہے۔ پھر دیکھنے والے دیکھیں اور سوچنے والے غور کریں تو انہیں نظر آئے گا کہ رسالت محمدیؐ کی امتیازی حیثیت کچھ یہیں تک محدود نہیں ہے۔ آپؐ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ آپؐ کی زندگی تمام انسانی جماعتوں اور گروہوں کے لئے مثالی زندگی ہے آپ بادشاہوں اور جرنیلوں اور ججوں کے لئے بھی نمونہ ہیں شوہروں باپوں اور بیٹوں کے لئے بھی نمونہ۔ تاجروں اور معلموں اور زاہدوں کے لئے بھی آپؐ کی زندگی میں ہدایت ہے اور امیروں، غریبوں اور درویشوں کے لئے بھی اسوۂ کاملہ ___ انسان کسی پیشہ اور کسی استعداد کا ہو بشرطیکہ وہ انسان ہو حضورؐ کی پاک زندگی میں اس کے لئے کامل راہنمائی پائی جاتی ہے ___ اس کمالِ رہنمائی کا اثر دیکھنا ہو تو صحابہؓ کی زندگی میں دیکھئے یہاں بہترین سپہ سالار اور

جرنیل اور حکمران و مدبر بھی آپ کو مل جائیں گے اور زاہد و عابد فقیر درویش متوکل علی اللہ افراد بھی، یہاں آپ کو علماء و فضلاء اور تجار و امراء ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والی بہترین انسانی ہستیاں نظر آجائیں گی ـــــ ان ہستیوں کو دیکھئے اور اس کے بعد فیصلہ کیجئے کہ۔

جب اس آفتاب کی کرنوں میں اتنی درخشندگی و تابندگی ہے تو
پھر خود اس آفتاب کی نورانیت کا کیا عالم ہوگا۔!!

اطاعت رسولؐ

اس ظلمت کدۂ عالم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنے انبیاءؑ تشریف لائے ہیں ان کی حیثیت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ انھوں نے ہم تک مالکِ کائنات کا حکم پہونچا دیا اور بس۔ بلکہ قرآن شہادت دیتا ہے کہ ان کی بعثت کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ لوگ ان کی اطاعت کریں اور اس اطاعت کے ذریعے خدا کی رضا حاصل کریں قرآن نے کہا۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں اس لئے بھیجے ہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے اور یہ اللہ کے اذن سے ہے۔ اسی مضمون کو ایک اور اسلوب سے یوں بیان فرمایا ہے۔

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی" (النساء)

اور اس اطاعت کی بھی تشریح فرمادی کہ یہ اطاعت ایسی ہو جس میں اخلاص وانقیاد اور تسلیم ورضا کی تمام خصوصیتیں موجود ہوں۔ یہاں تک کہ تنبیہ کر دی کہ اگر اطاعت رسول میں ذرا برابر بھی دل کی تنگی پائی گئی تو یہ ایمان کے فقدان کی علامت ہو گی۔ سورۂ نساء میں کہا گیا:-

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

"پس قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ ایسا نہ ہو کہ وہ آپس کے تمام جھگڑوں میں آپکو حکم بنائیں پھر جو فیصلہ آپ فرمادیں اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ نہ پائیں اور اپنے آپ کو بالکل حوالہ کر دیں۔"

پھر اس اطاعت کو صرف زندگی کے اہم معاملات تک ہی محدود نہیں رکھا گیا بلکہ یہ حکم دیا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں بھی رسول کی اطاعت کی جائے اجازت لے کر رخصت ہونا یا بلا اجازت چلے جانا یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے لیکن اگر کسی اجتماعی کام میں شرکت کرنے کے بعد رسولؐ کی اجازت لئے بغیر کوئی شخص رخصت ہو جائے تو یہی بات شرائط ایمان کی خلاف ورزی کا باعث بن جاتی ہے۔ قرآن نے بتایا:-

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ

"مومن تو اصل میں وہی ہیں جو اللہ اور رسولؐ کو دل سے مانیں اور جب کسی اجتماعی کام کے موقع پر رسولؐ کے ساتھ ہوں تو

يَسْتَاذِنُوهُ ، اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاذِنُوْنَكَ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ .

اس سے اجازت لئے بغیر نہ جائیں جو لوگ تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی اللہ اور رسولؐ کے ماننے والے ہیں۔" (سورۂ نور ۶۲)

جنت میں کون داخل ہوگا اور کون نہیں۔ حضورؐ نے خود اس کو واضح فرمایا اور بتا دیا کہ جو لوگ میری اطاعت کریں گے وہی جنت میں داخل ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔

كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ اَبٰى قَالَ مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى ۔ (بخاری)

"یعنی میری امت کے تمام افراد جنت میں داخل ہوں گے بجز ان کے جو میرا انکار کریں گے پوچھا گیا۔ آپ کا انکار کرنیوالے کون ہیں ؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا۔ اور جو میری نافرمانی کرے وہی میرا انکار کرنے والا ہے۔"

اندازہ کیجئے یہی نہیں کہ اطاعت کرنے والوں کو جنت میں داخل ہونے کا مژدہ سنایا جا رہا ہے۔ بلکہ وہ لوگ جو آپؐ کو پیغمبر مان کر حلقۂ اطاعت سے باہر نکلے ہیں۔ ان کو منکرِ رسالت قرار دیا جا رہا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر کو ماننا اس طرح کا ماننا نہیں ہے جس طرح ہم کسی تاریخی شخصیت کو تسلیم کرتے ہیں یا محض کسی کی صداقت کا اقرار کرتے ہیں بلکہ یہ وہ "ماننا" ہے جس کے لئے اطاعت شرطِ اوّل کا حکم رکھتی ہے اور اسی وجہ سے قرآن نے اعلان کیا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ
فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

"ان لوگوں سے یہ کہہ دیجئے کہ اگر تم
واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو
تم کو میری پیروی کرنی چاہئے۔ اللہ
تم سے محبت فرمانے لگے گا اور تمہاری
خطاؤں سے درگذر فرمائے گا" (آل عمران)

(۲)

عبادت کتنا پسندیدہ فعل ہے؟ یہاں تک کہ اسے جن و انسان کی پیدائش کا مقصد اولیں بتایا گیا ہے مگر یہی عبادت اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے ہٹ کر کی جائے تو انسان کے لئے وبال بن جاتی ہے مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ تین صحابہؓ امہات المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی عبادت کا حال پوچھا۔ جب تفصیل بیان کی گئی تو وہ اسے اپنے حق میں کچھ کم سمجھے اور کہنے لگے کہ آپؐ تو معصوم ہیں پھر آپ کا اور ہمارا کیا مقابلہ؟ ان میں سے ایک نے کہا میں تو ہمیشہ تمام رات نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا تیسرے نے کہا میں کبھی نکاح نہیں کروں گا ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ اس اثناء آنحضورؐ تشریف لے آئے۔ آپؐ نے فرمایا تم لوگ ایسی ایسی باتیں کر رہے تھے تو لو سن لو! تم سب میں اللہ تعالےٰ سے زیادہ ڈرنے والا میں ہوں اور تم سب سے بڑھ کر متقی میں ہوں میں تو روزہ بھی رکھوں گا اور افطار بھی کروں گا۔ شب میں نماز بھی پڑھوں گا اور سوؤں گا بھی اور عورتوں سے نکاح بھی کروں گا۔

اب جو شخص میرے طریقہ سے اعراض کرے گا۔ وہ مجھ سے نہ
ہوگا۔ (متفق علیہ)

اندازہ کیجئے شریعت میں اطاعت رسولؐ کا مقام کتنا اعلیٰ وارفع ہے؟
یہاں صرف شوق عبادت کا اظہار کیا جارہا ہے اور محبت الٰہی سے سرشار ہوکر فقر
و درویشی کے عہد کئے جارہے ہیں۔ لیکن فقط اس لئے ان کے نماز روزہ اور مراسم
بندگی کو رد کر دیا جاتا ہے کہ وہ اسوۂ رسولؐ کے مطابق نہیں ہیں۔ اس سے صاف
معلوم ہوتا ہے کہ اصل عبادت آپؐ ہی کی اطاعت اور آپؐ ہی کی اتباع ہے جو
شخص اس معاملے میں جتنا آگے ہوگا اتنا ہی زاہد و عابد اور خدا کا محبوب و مقرب
ہوگا۔ بات صاف نہ ہوئی ہو تو ایک اور واقعہ پیش کرتا ہوں اس سے بندگی اور
عبادت کی اصلیت سامنے آجائے گی۔ واقعہ یہ ہے (حضرت جابر رضؓ اس کے
راوی ہیں) ایک بار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں
سفر کے لئے نکلے اور آپؐ نے روزہ رکھا اور لوگوں نے بھی روزہ رکھ لیا جب "کراع الغمیم"
کے مقام پر پہونچے تو آپؐ نے ایک پیالہ پانی منگایا اور اپنے ہاتھ میں اس کو اتنا
اونچا اٹھایا کہ سب لوگوں نے دیکھ لیا اور اس سے آپؐ نے افطار کر لیا جب افطار
ہو چکا تو آپؐ کو اطلاع موصول ہوئی کہ بعض لوگ تو اب بھی روزہ دار ہیں
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

"یہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں"۔ (مسلم)

دیکھئے! اس واقعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ عبادت سراسر آپؐ
کی پیروی کا نام ہے۔ آپ کی اتباع میں روزہ رکھا جائے تو عبادت اور آپؐ کی

اتباع میں روزہ توڑ دیا جائے تو بھی عبادت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزہ توڑنے کے بعد بھی اگر کوئی شخص روزہ پورا کر لیتا تو بظاہر کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی بلکہ الٹا ثواب ملنے کا گمان ہوتا ہے لیکن اسلام نے اتنی سی بات کو بھی گوارا نہیں کیا اور صاف اعلان کر دیا کہ یہ زہد و اتقا نہیں، بلکہ خدا کی نافرمانی ہے اقبال مرحوم نے ٹھیک کہا۔

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر باُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

(اپنا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جوڑ لے۔ کیونکہ آپؐ ہی کُل دین ہیں۔ اگر تو نے اپنا تعلق اُن سے نہیں جوڑا تو سب کُفر ہے)

(۳)

اسلام میں اطاعتِ رسولؐ کتنی اہمیت رکھتی ہے؟ اسے معلوم کرنا ہو تو صحابہؓ کی زندگی پر نظر ڈالیے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ سے قرآن کے مخاطبین اوّل نے جو کچھ سمجھا تھا وہ صرف اتنا تھا کہ اپنے آپکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سانچے میں ڈھال دو۔ وہ جس بات کے کرنے کا حکم دیں اسے کرو اور جس سے رُکنے کا فرمائیں اس سے رُک جاؤ۔ وہ قرآن کے اس فرمان کی جیتی جاگتی تصویر تھے کہ "وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا" رسول اللہ تمھیں جو دیں اسے لے لو اور جس سے منع کر دیں اس سے رُک جاؤ یہ علم دین کی رازدار ہستیاں یہی نہیں کہ اوامر و نواہی میں

حضورؐ کی اطاعت کو فرض سمجھتی تھیں، بلکہ آپؐ کی ایک ایک ادا کا اتباع انکے لئے سرمایۂ نشاط تھا۔

"حضرت عمارہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے بشر بن مروان کو دیکھا کہ وہ منبر پر خطبہ میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر انھوں نے فرمایا خدا تعالےٰ ان دونوں ہاتھوں کا ناس کرے کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا آپ تو اپنے ہاتھ کی صرف شہادت کی انگلی اٹھاتے تھے۔" (مسلم)

بات بظاہر چھوٹی سی ہے کہ منبر پر کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں یا صرف ایک انگلی۔ مگر جب صحابی کی نظر سے آنحضورؐ کی ایک ادا گذر چکی تھی تو اس نے پسند نہ کیا کہ اس کے خلاف عمل کیا جائے اور یہ صرف حضرت عمارہ رضؓ ہی پر موقوف نہیں۔ خلفائے راشدین رضؓ تک اگر کبھی اپنی پسند ناپسند کو ذوقِ رسول سے ہٹا ہوا پاتے تو بے قرار ہو ہو جاتے۔ امام شعرانی رحؒ نے حضرت فاروق اعظم رضؓ کے عہد خلافت کا ایک واقعہ درج کیا ہے۔ کہ ایک مرتبہ آپ کو اطلاع ملی کہ بعض کپڑے بولِ عجاز سے رنگے جاتے ہیں — بول عجاز پتوں سے بنا ہوا ایک خاص قسم کا رنگ تھا۔ تو آپ نے ایسے کپڑے اتار دینے کا حکم جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ وجہ ناپسندیدگی یہ تھی بولِ عجاز عربی میں اونٹنی کے پیشاب کو کہتے ہیں لیکن جب آپ کو دوسرے صحابہ کے ذریعے معلوم ہوا کہ بولِ عجاز میں رنگے ہوئے کپڑے خود جناب رسالت مآبؐ نے پہنے ہیں تو آپ فوراً اپنے اس ارادہ سے باز آگئے اور اپنے پہلے ارادہ کو فسخ ہی نہیں کیا بلکہ اس پر بار بار استغفار کیا۔

شریعت کھانے پینے کے دائرے میں حلال وحرام کا تعین کرکے انسان کو آزاد چھوڑ دیتی ہے کہ وہ حلال چیزوں میں سے جس چیز کو چاہے کھائے پیئے مگر صحابہؓ کا ذوقِ اطاعت اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اگر انہیں کبھی یہ معلوم ہو جاتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کھانے کی چیز کو پسند کیا ہے تو اس کے بعد انہیں بھی وہ چیز مرغوب ہو جاتی حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک درزی نے آنحضورؐ کے لئے کچھ کھانا تیار کیا اور آپؐ کی دعوت کر دی۔ میں بھی حضورؐ کے ہمراہ تھا۔ صاحبِ خانہ نے جَو کی روٹی کے ساتھ جو شوربا پیش کیا۔ اس میں لَوکی کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے میں نے دیکھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لَوکی کے ٹکڑے پیالے میں چاروں طرف تلاش کر رہے ہیں۔ بس اس دن سے لَوکی مجھے محبوب ہو گئی اور اس کے بعد جس سالن میں بھی لَوکی ڈلوا سکتا تھا ضرور ڈلواتا۔

آپ لَوکی کھائیں یا نہ کھائیں۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا حضرت انسؓ کو دیکھئے کہ اطاعتِ رسولؐ کا شوق انہیں کہاں تک لے گیا ــــ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ حضورؐ کی اطاعت میں بالکل متفق و یک رائے تھے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ آج ہمارے اندر اطاعتِ رسولؐ کی فرضیت وعدم فرضیت کے بارے میں بھی بحث کی گنجائش نکل آتی ہے۔ ع

ترے دماغ میں بُت خانہ ہو تو کیا کہئے

محبّتِ رسولؐ

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا لازمی نتیجہ اطاعت ہے، اور اطاعت کے بغیر محبت رسولؐ معتبر قرار نہیں پاتی۔ اسطرح اطاعت بھی اس وقت تک قبول نہیں ہے جب تک اس میں محبت شامل نہ ہو ـــــ یہی وجہ ہے کہ عارفانِ شریعت نے "اطاعت کے بغیر محبت" اور "محبت کے بغیر اطاعت" ـــــ ہر دو صورتوں کو بدعت قرار دیا ہے۔ اگر آپ حضورؐ کی محبت کا دم بھرتے ہیں لیکن آپؐ کے احکام کی اطاعت نہیں کرتے تو کوئی معقول شخص آپ کے دعوئے محبت کو سچا نہیں سمجھے گا۔ عشق کا اوّلین تقاضا ہی یہ ہے کہ آدمی محبوب کے ہر اشارۂ ابرو پر سرِ تسلیم خم کر دے۔

اسی طرح اگر آپ اطاعت میں تو بڑی سرگرمی دکھاتے ہیں لیکن آپ کا دل عشق و محبت کے جذبات سے خالی ہے تو یہ ایسی بات ہوگی جیسے ایک چھلکے سے مغز نکال کر اسے بے کار کر دیا جائے وہ اصحاب فہم و بصیرت جو "محبت کے بغیر اطاعت" کو منافقت گردانتے ہیں غور کیا جائے تو ان کا نظریہ بڑی حد تک صحیح نظر آتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی خارجی دباؤ کے تحت مطیع و فرماں بردار بنا رہتا ہے لیکن دراصل اس کے داخل میں خوئے تسلیم و رضا کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا جوں ہی وہ بیرونی دباؤ ختم ہوتا ہے تسلیم و انقیاد کی بجائے طبیعت پھر سرکشی پر آمادہ ہو جاتی ہے اسی لئے اسلام

میں اطاعتِ رسول کے ساتھ ساتھ محبت رسول پر بھی بہت زور دیا گیا ہے خود حضورؐ نے فرمایا۔

"تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اپنے بیٹے باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں"

بیٹے اور باپ کی محبت تقاضائے طبیعت ہے لیکن حضورؐ کی محبت عقل و وجدان کی طلب ہے۔ اسی لئے حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا کہ کمال ایمان یہ ہے کہ تقاضائے عقل تقاضائے طبیعت پر غالب آجائے ـــ عقلی تقاضے طبعی تقاضوں پر کب غالب آتے ہیں ـــ اس وقت ـــ جب یہ جذبات میں رچ بس کر خود انسان کی طبیعت ثانیہ بن جائیں، اور رگ و پے میں خون بن کر گردش کرنے لگیں یہی وجہ ہے کہ شریعت محض ظاہر میں سر کا جھکاؤ ہی نہیں چاہتی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غایت درجے کے جذباتی لگاؤ کا بھی مطالبہ کرتی ہے۔

بخاری میں حضرت عبداللہؓ ابن ہشام سے روایت ہے وہ کہتے ہیں۔

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ اٰخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَاَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا مِنْ نَفْسِيْ فَقَالَ لَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ

"یعنی ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپؐ عمرؓ کا ہاتھ میں ہاتھ لئے ہوئے تھے، عمرؓ نے آپؐ سے عرض کیا یارسول اللہ آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، آپؐ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں

حَتّٰی اَکُوْنَ اِلَیْکَ مِنْ نَفْسِکَ — میری جان ہے جب تک میں تم کو اپنی
فَقَالَ عُمَرُ فَاِنَّکَ الْآنَ وَاللّٰہِ — جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں تم
اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ فَقَالَ الْآنَ یَا عُمَرُ۔ — مومن نہیں ہو گے "۔

اسی محبت آمیز تنبیہہ کا اثر تھا کہ اسے سنتے ہی حضرت عمرؓ نے اعلان کر دیا کہ .

" اب آپؐ مجھے جان سے بھی زیادہ عزیز ہو گئے "۔

یہ محبت اتنی بڑھی کہ تاریخ بتاتی ہے رسولِ پاک کی وفات کے بعد جب حضرت عمرؓ کو رسولؐ پاک کا زمانہ یاد آتا تو رونے لگتے اور روتے روتے بے خود ہو جاتے — یہی حضرت عمرؓ تھے کہ دورِ خلافت میں ایک دفعہ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ نے ان سے شکایت کی کہ ابا جان میری تنخواہ تھوڑی اور حضرت اُسامہؓ کی زیادہ — حالانکہ میں ان سے کسی معاملے میں پیچھے نہیں ہوں تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا ۔

" لِاَنَّ زَیْدًا کَانَ اَحَبَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اَبِیْکَ وَکَانَ اُسَامَۃُ اَحَبَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْکَ "۔

"بیٹا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (اسامہؓ کے والد) حضرت زیدؓ تیرے والد سے زیادہ پیارے تھے اور خود اسامہؓ تجھ سے پیارے تھے "۔

معلوم ہوا کہ محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ محبوب جس چیز سے محبت رکھتا ہو۔ اس سے محبت قائم کی جائے۔ یہی وہ اصول ہے جو ہمیں اس حدیث

سے معلوم ہوتا ہے جس میں حضورؐ نے اہل بیت رضؓ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔

"اے اللہ میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور جو ان سے محبت کرے ان سے بھی محبت فرما۔"

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔" عرب سے محبت رکھو اس لئے کہ میں عربی ہوں۔" اور یہ کہ "عرب سے بغض رکھو گے تو مجھ سے بھی بغض رکھنے لگو گے۔" (ترمذی)

وہ لوگ جو اسلام کو یبوست، خشک مزاجی اور "عبوساً قمطریراً" بنانے کا علمبردار بنائے ہوئے ہیں اور محبت رسولؐ کو جذبات سے متعلق نہیں سمجھتے، انہیں صحابہؓ کی زندگی کا مطالعہ کرنا چاہئے وہ دیکھیں گے کہ محبت اور انتہائی وارفتگی کی محبت کے جو مناظر یہاں پائے جاتے ہیں وہ چشم فلک نے شاید ہی کہیں اور دیکھے ہیں۔

جنگ احد کا واقعہ ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ نے دیکھا کہ کچھ فاصلہ پر ایک شخص زخموں سے چُور کراہ رہا ہے۔ آپ اس کے پاس پہونچیں، پانی پلایا، سانس اکھڑ رہی تھی، لیکن ام المومنین نے دیکھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے اس نے کہا۔

"اللہ کے رسولؐ ــــ ان پر خدا کی رحمتیں ہوں! کاش اُن کو یہ پیغام پہونچا دیا جائے کہ اُن کا غلام زیادؓ دنیا سے رخصت ہو رہا ہے۔"

ام المومنین بارگاہ رسالت میں پہونچیں، زیادؓ کا پیغام دیا، آپؐ بے قرار

ہو کر تشریف لائے۔ آتے ہی فرمایا "زیاد رضؓ آنکھیں کھولو! دیکھو میں آگیا ہوں"۔ زیاد رضؓ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ حضورؐ نے پوچھا زیاد رضؓ "کوئی آخری تمنا"؟ اور زیاد رضؓ نے عرض کیا "حضورؐ! صرف ایک تمنا ہے" اور انہوں نے جسم کو آگے گھسیٹ کر اپنا سر حضورؐ کے قدموں پر رکھ دیا۔ ان کے ہونٹ آہستہ آہستہ حرکت کر رہے تھے۔

رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا۔

"اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اپنے رب سے اور محمدؐ سے نبی کی حیثیت سے اور اسلام سے دین کے طور پر راضی ہوں"۔

احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات ایک آدمی مختلف وجوہ و اسباب کی بنا پر اطاعت میں کامل نہیں ہوتا۔ اس سے گاہ گاہ گناہ بھی سرزد ہو جاتے ہیں لیکن چونکہ اس کے دل میں اللہ اور رسولؐ کی محبت ہوتی ہے۔ اس لئے وہ راندۂ درگاہ نہیں ہونے پاتا۔ اور گناہوں کے باوجود اسکی طرف اسلام کی چشم التفات قائم رہتی ہے۔ حضرت عمرؓ فاروق راوی ہیں کہ حضورؐ کے زمانے میں عبداللہ نامی ایک شخص تھا جس کا لقب حمار تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ شراب نوشی کی وجہ سے اسے کوڑے بھی لگ چکے تھے ایک دن پھر اسی الزام میں پکڑا ہوا آیا۔ حضورؐ نے اسے کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ اسے کوڑے لگ چکے، تو ایک شخص کہنے لگا اے خدا! یہ بار بار شراب پینے کی وجہ سے پکڑا جاتا ہے، اس پر لعنت فرما! جب حضورؐ نے یہ سُنا تو فرمانے لگے۔

"لَا تَلْعَنُوْهُ فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ اَنَّهٗ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" "اس پر لعنت مت برساؤ! بخدا میں جانتا ہوں کہ یہ خدا اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہے"۔ (بخاری)

اس واقعہ سے واضح طور پہ یہ بات ثابت ہو گئی کہ اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محض اطاعت ہی کا تعلق جوڑنے کا حکم نہیں دیتا بلکہ مسلمانوں کے دلوں میں آپؐ کے لئے محبت کے شدید جذبات بھی پیدا کرنا چاہتا ہے، اور اسے یہ بھی مطلوب ہے کہ حضورؐ کا نام آنے پر صدیق اکبرؓ کی طرح دلوں میں ہلچل پیدا ہو جائے اور آنکھیں وفور جذبات سے بھیگ جائیں۔

وہ لوگ جو زاہد خشک تو بن گئے ہیں لیکن محبت رسولؐ کی اس دولت سے محروم ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ ان واقعات کی تاویل کرنے کی بجائے اس مقام مطلوب و محبوب کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

سُنّتِ رسولؐ

آپ قرآن کا مطالعہ کریں تو جگہ جگہ آپ کو ایسے مقامات نظر آئیں گے جہاں صرف اصول بیان کر کے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ ان کی کوئی تشریح و توضیح نہیں کی گئی۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ تک جیسے بنیادی مسائل کے متعلق جن پر اسلام کا دارومدار ہے۔ کتاب پاک میں چند احکام اور اشاروں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

نماز کی رکعتیں۔ اس کی ادائیگی کے طریقے۔ اسی طرح زکوٰۃ اس کا نصاب اور روزہ اور حج کی دوسری تفاصیل یہ ساری کی ساری باتیں ہمیں قرآن سے نہیں سنتِ رسول اللہ سے معلوم ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ انکے اقوال و افعال کے بغیر قرآنی احکام کو زیرِ عمل نہیں لایا جا سکتا۔

"کہدو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔" (آل عمران۔ ۳۱)

پھر یہ بھی بتا دیا گیا کہ رسولؐ کے فرائض منصبی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ قرآن کی وضاحت اور تبیین کرے۔

"ہم نے تیری طرف "الذکر" نازل کیا ہے تاکہ تو لوگوں کے لئے اس چیز کو واضح کرے جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔" (النحل)

اس تبیین و توضیح کے بغیر اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ قرآن کو سمجھ لے اور اس کے جملہ احکام کی پیروی کرے تو یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کسی بچے کو معلّم اور استاد کے بغیر کتابیں پڑھنے پر لگا دیا جائے۔ امام ابو حنیفہ رح جیسے فاضلِ روزگار کا قول ہے۔

"اگر حدیث نہ ہوتی تو ہم میں سے کوئی بھی قرآن کو نہ سمجھتا۔"

قرآن، خاکم بدہن اگر شاعری کی کتاب ہوتی تو یہ بات اس کے محاسن میں شمار ہوتی کہ پیغمبر اس کی تشریح خود قارئین پر چھوڑ دے اور اس کے بطن سے رنگا رنگ معانی برآمد کریں مگر جس قرآن نے

افتراق وانتشار کو ختم کرنے اور اللہ کی رسّی کو مضبوط تھامنے کا حکم دیا ہو اس کے متعلق یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ پیغمبرؐ کی تعلیم کو چھوڑ کر ہم اپنی رائے سے اس کا مفہوم متعین کرنے بیٹھ جائیں اور اس طرح اس کا تیا پانچہ کر کے رکھ دیں، آج مسلمانوں میں جتنی چیزیں متفق علیہ ہیں، ان کی وجہ یہ ہے کہ وہاں سنتِ رسولؐ سے اسلام اور قرآن کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے وگرنہ اگر آغاز اسلام سے لے کر اب تک مسلمان سنّت سے بے نیاز رہتے، تو ان کے درمیان شاید ہی کوئی قدرِ مشترک باقی رہتی۔ آج صلوٰۃ، زکوٰۃ۔ صوم، حج اور دوسری بے شمار اسلامی اصطلاحات سنتے ہی فی الفور ان کا ایک متعین مفہوم ذہن میں آجاتا ہے لیکن تاریخ میں جب کبھی یہ کوشش کی گئی کہ اپنی ذہانت و فطانت سے کام لے کر ان اصطلاحات کی من مانی تشریح کی جائے وہیں اسلامی اتحاد و اتفاق ہمیں کُند چھری سے ذبح ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ کسی زمانہ میں باطنیہ کو بھی خبط تھا کہ سنتِ رسولؐ سے بے نیاز ہو کر قرآن زیرِ عمل لایا جائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے اسلام کا حُلیہ ہی بگاڑ ڈالا۔ انھوں نے کہا۔

"جبریل کسی ہستی کا نام نہیں صرف فیضان کا نام ہے۔ جنابت سے مراد افشائے راز ہے۔ غسل سے مراد تجدید عہد۔ زنا سے مراد علم باطن کے نطفہ کو کسی ایسی ہستی کی طرف منتقل کرنا جو عہد میں شریک نہ ہو۔ صلوٰۃ سے مراد امام وقت کی طرف دعوت۔ زکوٰۃ سے مراد اہل استعداد و صفا میں اشاعتِ علم، صیام سے مراد افشائے راز

سے پرہیز و احتیاط۔ جنت علم باطن۔ جہنم علم ظاہر آتش نمرود سے مراد نمرود کا غصہ ہے نہ کہ حقیقی آگ، عصائے موسیٰؑ سے مراد ان کی دلیل ہے۔" (قواعد عقائد آلِ محمد صفحہ ۱۸۰،۱۷)

"تفسیر بالرائے" کا یہی وہ شوق ہے جو ہمارے ہاں کے بعض پڑھے لکھے "اصحاب" کو اسلام سے اتنی دور لے گیا ہے کہ انہیں قرآن میں قیامت کا ذکر ہی نہیں ملتا اور وہ جنت اور جہنم کے قصے کو فقط اسی دنیا کی خوش حالی و بد حالی پر منطبق کرتے ہیں۔ اس مختصر سی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سنتِ رسولؐ کو نظر انداز کر کے قرآن فہمی کی کوشش کی جائے تو اسلام ایک بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا اور اس کے بعد امت کسی بنیاد پر جمع نہیں ہو سکے گی۔

(۲)

وہ لوگ جو "قرآن ہی سب کچھ ہے" کا نعرہ لگا کر حدیث اور سنت کا انکار کرنا چاہتے ہیں اگر کبھی خالی الذہن ہو کر غور کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ خود یہ بھی حدیث کا پیدا کردہ ہے کہ "قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے" ـــــ یہ کلام ہم پر تو براہ راست نازل نہیں ہوا کہ ہمیں اس کے الہامی ہونے کا علم ہو، رسولؐ اللہ پر اُترا اور انہوں نے ہی یہ فرمایا کہ یہ خدا کی کتاب ہے ہم نے یقین کر لیا، اور اگر العیاذ باللہ وہ یہ بیان نہ فرماتے تو قرآن کے منجانب اللہ ہونے کا عقیدہ بھی ہمارے دل میں پیدا نہ ہوتا، صاف معلوم ہوا کہ ارشاداتِ رسولؐ اسلام کے نظام میں اتنا اونچا مقام رکھتے ہیں کہ اگر انہیں کوئی فیصلہ کن حیثیت نہ دی جائے

تو پھر شریعت کی ساری عمارت ہی دھڑام سے زمین پر آ رہتی ہے اور دین کے کسی جزو پر کوئی اعتماد و اعتقاد ہی باقی نہیں رہتا۔

(۳۱)

"احادیث" کی بات کی جائے تو سوال اٹھایا جاتا ہے کہ اس کی کیا ضمانت ہے کہ یہی وہ ارشادات ہیں جو زبانِ رسولؐ سے ادا ہوئے ــــ شکی مزاج طبیعتیں تو خیر قابلِ معافی ہیں کہ ان کے دل و دماغ میں روزمرہ کے پیش آمدہ واقعات کے متعلق بھی سو طرح کے وسوسے اور شبہے پیدا ہوتے رہتے ہیں مگر جو لوگ اپنی علمیت اور فضیلت کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں انھوں نے کبھی یہ بھی سوچا کہ یہ اعتراض وارد کر کے وہ اسلام کی کیا خدمت انجام دے رہے ؟ اگر مقصود فی الحقیقت اشاعت قرآن ہے تو اس کے بے شمار دوسرے طریقے موجود ہیں۔ ورنہ اس طرح کے بچکانہ اعتراضات سے تو خود قرآن کا تقدس بھی مجروح ہو جائے گا۔ آپ احادیث کے متعلق یہ سوالات اٹھاتے ہیں تو پھر آپ کو اس کے لئے بھی تیار رہنا چاہیئے کہ کل کلاں اگر آپ کی شہ پا کر کسی شرپسند نے قرآن کے متعلق بھی یہی رویہ اختیار کر لیا تو آپ اس کا کیا جواب دیں گے؟ احادیث رسولؐ اور آیات قرآنی امت میں جس مؤثق و معتبر ذریعہ سے پھیلی ہیں وہ صحابہؓ کرام کی دیانت و امانت ہے۔ اب اگر احادیث کے معاملے میں آپ اس واسطے کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھتے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کے معاملے میں بھی اسے کیوں لائق اعتبار سمجھا جائے ؟

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ قرآن دوستی کے پردے میں احادیث پر زبانِ طعن دراز کر رہے ہیں وہ اسلام کے نادان دوست ہیں اور اگر خدا انہیں گوشِ ہوش دے تو وہ آج غریب اسلام کو زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے سُن سکتے ہیں کہ ۔ ع

مجھ پہ احساں جو نہ کرتے تو یہ احساں ہوتا

(۴)

انسان کی فطرت کا ایک خاصّہ یہ بھی ہے کہ وہ جس سے محبت کرتا ہو یا جس کی عظمت اور برتری کا قائل ہو اس کی اداؤں اور اس کی باتوں کو دِل سے محو نہیں ہونے دیتا۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ اُن مرحوم اکابر سے سُنی ہوئی ایک ایک بات کو مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں ان کی گفتگو کا انداز۔ لباس وضع قطع ہر چیز ان کے دماغ میں محفوظ ہے اخبارات و رسائل ان بزرگوں کی یاد میں نمبر نکالتے ہیں تو ان لوگوں کے خیالات کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ اور قارئین ان چشم دیدہ واقعات کو نعمتِ غیر مترقبہ سمجھتے ہیں۔ اعاظم رجال کی باتیں ہم کیوں نہیں بھولتے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی عظمت ہمارے دل میں نقش ہوتی ہے اور ہم ان کی زندگی کے ایک ایک جزئیہ کو احترام و عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ـــــ یہی حال محبت کرنے والوں کا ہے انہیں محبوب کی ایک ایک ادا، متاعِ گراں بہا معلوم ہوتی ہے وہ اس کی باتوں کو بھلانا چاہیں تب بھی اس میں کامیاب نہیں ہوتے ۔ ع

بھلا تا لاکھ ہوں لیکن وہ اکثر یاد آتے ہیں

انسانی فطرت کی اس خصوصیت کو سامنے رکھ کر اب ذرا ایک لحظہ کے لئے صحابہؓ کرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق پر غور کیجئے۔ جو شخصیت

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

(اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کی شان میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مختصراً یہ ہے کہ خدا کے بعد آپؐ ہی کا درجہ ہے۔) کا مقام رکھتی ہو۔ اسکی عظمت کا کیا ٹھکانہ ہے؟ دنیا نے احترام وعقیدت کے یہ انسانی مناظر کاہے کو دیکھے ہوں گے کہ اسامہ رضؓ بن شریک فرماتے ہیں کہ۔

"میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ آپؐ کے صحابہؓ آپؐ کے اردگرد اس طرح بے حس وحرکت خاموش بیٹھے ہیں گویا ان کے سروں پر کوئی پرندہ گھوم رہا ہے۔" (ترمذی)

صحابہؓ کے دلوں میں عظمتِ رسولؐ کی گہرائیوں کا اندازہ کرنا ہو تو اس واقعہ سے کیجئے کہ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں۔

"میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حجام آپؐ کا سر مونڈ رہا ہے صحابہ رضؓ آپؐ کو گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں اور مقصد صرف یہ ہے کہ جو بال آپؐ کے سر مبارک سے گرے وہ کسی نہ کسی ہاتھ میں پڑ جائے۔" (مسلم)

یہی وہ احساسِ عظمت ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے اپنے عظیم پیغمبر کے

سامنے اونچی آواز سے بولنے کو منع فرمادیا تو ایک صحابی ثابتؓ بن قیس اپنے گھر بیٹھ رہے اور آپؐ کی خدمت میں آنا جانا بند کر دیا آپؐ نے سعد بن معاذؓ سے ان کا حال پوچھا وہ حضرت ثابتؓ کے پاس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے کا حال ان سے بیان کیا۔ ثابت بولے کہ۔

"اونچی آواز سے بولنے کی ممانعت نازل ہو چکی ہے اور تم لوگ جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں تم سب میں زیادہ میری ہی آواز بلند ہو جاتی ہے تو مجھے یہ غم ہے کہ میں کہیں دوزخی نہ ہوں۔" (مسلم)

یہ تو صحابہ کرامؓ کے دلوں میں دنیا کے اس سب سے بڑے انسان کی عظمت کا عالم تھا۔ محبت کا جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں ذرہ برابر تامل نہیں ہوتا کہ عشق و محبت کی جو لافانی مثالیں ہمیں یہاں نظر آتی ہیں تاریخ کے صفحات ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں ـــــ عروہ بن مسعودؓ ثقفی ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر قریش کے سفیر بنکر آئے۔ واپس گئے تو قریش کے سامنے صحابہؓ کی محبت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا۔

"لوگو! خدا کی قسم مجھے بادشاہوں کے دربار میں بھی باریابی کا موقعہ ملا ہے۔ قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے سامنے حاضر ہوا ہوں قسم خدا کی میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا جس کی لوگ عزت کرتے ہوں جتنی محمدؐ کے ساتھی محمدؐ کی کرتے ہیں قسم

خدا کی جب وہ تھوکتے ہیں تو نہیں گرتا ہے وہ لیکن اس کے ساتھیوں
میں سے کسی آدمی کے ہاتھ میں پھر وہ اپنے چہرہ اور اپنے
بدن پر اسے مل لیتا ہے۔ محمدؐ جب کسی بات کا انہیں حکم
دیتے ہیں تو اس کی تعمیل کی طرف وہ جھپٹ پڑتے ہیں۔
جب محمدؐ بات کرتے ہیں تو ان کی آوازیں پست ہو جاتی
ہیں۔ محمدؐ کو نگاہ بھر کر ان کی عظمت کی وجہ سے وہ نہیں
دیکھ سکتے"۔ (بخاری)

حضرت عبداللہؓ بن زید جو صاحب الاذان کہے جاتے تھے اپنے باغ
میں کام کر رہے تھے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کی خبر
معلوم ہوئی اسی وقت انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور کہا اے
اللہ مجھے نابینا کر دے کہ ان آنکھوں سے اب کسی کو نہ دیکھ سکوں۔

یہ رسولؐ اللہ سے صحابہ رضؓ کے تعلق کی چند جھلکیاں ہیں جو اصحاب
تفصیلات چاہتے ہوں وہ احادیث و سیر کی کتابیں اٹھا کر دیکھیں۔ انہیں
معلوم ہوگا کہ حضورؐ اپنے متبعین کی نظر میں کتنے محبوب اور کتنے باکمال
و صاحب عظمت تھے ـــــ اس تعلق کو پیش نظر رکھیئے اور اس کے بعد
انصاف سے کہیئے کہ کیا یہ ممکن تھا کہ صحابہ رضؓ اپنے محبوب و عظیم رہنما کو قریب
سے دیکھتے، ان کے ارشادات سنتے اور پھر ان ساری باتوں کو بھلا دیتے؟
جو شخص ہمارے سامنے یہ عجیب و غریب اور مضحکہ انگیز خیال پیش کرتا ہے
اس کے بے عقل اور بے مغز ہونے میں کیا کوئی شبہ کیا جا سکتا ہے۔؟

پھر یہی نہیں کہ آپ کے تذکروں میں صرف صحابہ رضؓ کا داخلی احساس کارفرما ہے بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی۔

"ان باتوں کو یاد رکھو اور جو لوگ تمہارے پیچھے ہیں انہیں ان سے مطلع کرتے رہنا" (بخاری)

اسی پر بس نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ کے میدان میں ایک لاکھ صحابہ رضؓ کے مجمع کو خطاب فرماتے ہیں۔ اور انہیں رغبت دلاتے ہیں۔

"تروتازہ رکھے اللہ اس بندے کو جس نے میری بات سُنی پھر اسے یاد رکھا اور جس نے نہیں سُنا ہے اس تک انہیں پہونچا دیا"

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب داخلی احساسِ عظمت و محبت کے ساتھ ساتھ خارج سے اس عظیم محبوب شخصیت کی یہ تاکید بھی شامل ہو گئی ہو گی تو صحابہ رضؓ نے کس ذوق و شوق سے احادیث رسولؐ کی اشاعت کی ہو گی۔ اشاعتِ حدیث کے نتیجے میں طلب حدیث کی پیاس کا پیدا ہونا ایک قدرتی امر تھا اور طلبِ حدیث کا یہی وہ ذوق و شوق ہے جس کی ایک مثال خود حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے بیان کی ہے ـــــ آپ فرماتے ہیں۔

"حدیث کی طلب میں کسی ایسے آدمی کے پاس جاتا۔ جس کے متعلق مجھے خبر ملتی کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سُنا ہے اور پاتا کہ وہ دوپہر میں آرام کر رہے ہیں تو اپنی چادر کو تکیہ بنا کر ان کے دروازے پر پڑ جاتا۔ ہوائیں دھول اڑا اڑا کر میرے چہرے پر ڈالتیں اور میں اسی حال میں پڑا رہتا تا ایں کہ خود وہ صاحب باہر نکل آتے،

باہر نکل کر جب وہ مجھے دیکھتے تو کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زادے آپ کہاں تشریف لائے ہیں۔ میں کہتا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضورؐ سے تم کوئی حدیث بیان کرتے ہو۔ میں نے چاہا کہ اس حدیث کو تم سے سنوں، جواب میں وہ صاحب کہتے۔ آپ نے کسی کو بھیج دیا ہوتا میں خود حاضر ہو جاتا، میں کہتا کہ تمہارے پاس حاضر ہونے کا مستحق میں ہوں۔" (دارمی)

(۵)

دنیا میں مختلف قوموں اور اشخاص کی جو تاریخ پائی جاتی ہے۔ وہ چند مجہول الحال راویوں کی روایات کا مجموعہ ہے اگر خوش قسمتی سے کسی عہد کا کوئی چشم دید گواہ مل جاتا ہے تو قطع نظر اس کے کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا ہے۔ قابلِ اعتماد ہے یا ناقابلِ اعتماد۔ ہم اس کی کہی ہوئی بات کو سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ خود وہ لوگ جو احادیث کی صحت اور عدم صحت کے شوشے چھوڑتے رہتے ہیں، تاریخ اور اس طرز پر مرتب شدہ تاریخ کے واقعات بیان کرتے ہوئے نہیں تھکتے۔ لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ جب احادیث کا ذکر آتا ہے تو کف دردہن ہو کر طعن و تشنیع کے تیر چلائے جاتے ہیں۔ حالانکہ ترتیب و تدوین احادیث میں تاریخ کا جو فن نظر آتا ہے عام تاریخ کو اس سے کوئی نسبت ہی نہیں دی جا سکتی۔

بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں آج تک کوئی قوم اپنے پیغمبر یا اپنے کسی راہ نما کی زندگی کو محفوظ کرنے کا وہ اہتمام نہیں کر سکی جو صحابہؓ و تابعینؒ نے

حضورؐ کے اقوال و افعال کی حفاظت کے لئے کیا ہے ـــــ حضورؐ دنیا سے تشریف لے گئے لیکن جو شخص چاہے احادیث کا مطالعہ کر کے آج بھی آپؐ کے دیدارِ معنوی سے مشرف ہو کر سعادت دارین حاصل کر کر سکتا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے خوب کہا۔

معنیٔ دیدار آں آخر زماں!
حکم او بر خویشتن کردن رواں

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا مفہوم یہ ہے کہ آپؐ کے احکام پر عمل کیا جائے۔)

ختم نبوّت

ملت اسلامیہ جن بنیادوں پر قائم ہے ان میں سے ایک اہم بنیاد یہ بھی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔ یہ وہ اساس ہے۔ جس نے نسل، رنگ اور وطن کے امتیازات کو ختم کر کے خدا اور رسول پر ایمان لانے والوں کو بھائی بھائی بنا دیا ہے۔ یہ عقیدہ اس امر کا اعلان ہے کہ خدا کی طرف سے انسانیت کو جو راہ نمائی اور ہدایت ملتی تھی وہ مل چکی۔ جن عقائد و اعمال سے کفر لازم آتا ہے وہ بتائے جا چکے اور جن خصوصیات سے اہلِ ایمان کی پہچان

ہوتی ہے ان کی صراحت اور وضاحت کر دی گئی ـــــ آپؐ کی تعلیمات کے علاوہ اب کسی نئی تعلیم پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ اور نہ کسی فرد کے ماننے یا نہ ماننے پر کفر اور اسلام کا دارومدار ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضورؐ کے بعد بھی کسی نبی کے آنے کی گنجائش ہے وہ دراصل ہمارے ملّی استحکام پر ضرب کاری لگاتا ہے ہماری صفوں میں پراگندگی اور انتشار پیدا کرنا چاہتا ہے اور اس اساس کو ختم کرنے کے درپے ہے جس پر اسلام کا عالمگیر نظریۂ اخوت مبنی ہے۔

عقیدۂ ختم نبوت کی یہی وہ اہمیت ہے جس کے پیش نظر ہمارے دین میں اسے اتنا اونچا مقام دیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی حضورؐ پر ایمان لائے۔ لیکن آپؐ کے آخری نبی ہونے کا قائل نہ ہو تو اسلامی معاشرہ میں اور خدا کے حضور۔ دونوں جگہ۔ اس کے ایمان اور اسلام کو لائق اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔ حضورؐ کی بعثت کو چودہ صدیاں ہو چلی ہیں۔ لیکن ہر دور اور دور کے ہر حصہ میں مسلمانوں نے ختمِ نبوّت کو اپنے اعتقاد کی جان سمجھا ہے ہمارے سلف تو اس معاملے میں اتنے سخت تھے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں جب ایک آدمی نے نبوت کا دعوے کیا تو حضرتِ امام نے فتوے دیا کہ یہی نہیں کہ مدعی نبوّت پر ایمان لانے والا کافر ہے بلکہ جو شخص اس کاذب سے اس کے نبی ہونے کی دلیل طلب کرے گا وہ بھی کافر ہے

خدانخواستہ اگر اسلام دین کامل نہ ہوتا اور دنیا کے ہر حصّے میں ترقی پذیر معاشرہ کا ساتھ نہ دے سکتا، تو کسی نئے نبی کی ضرورت سمجھ میں آسکتی تھی۔

لیکن جب حضورؐ پر دین کی تکمیل کر دی گئی۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ تو پھر جو شخص اس طرح کا ادّعا کرتا ہے وہ یہ الزام لگاتا ہے کہ نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ فضول اور غیر ضروری کام بھی کیا کرتا ہے ـــــ اسلام کا قصر عالیشان تعمیر ہو چکا اس بات کا خود آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مختلف پیراؤں سے بیان فرمایا ہے حدیث میں آیا ہے۔

"میری اور انبیائے سابقینؑ کی مثال ایک محل کی سی ہے جس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ لوگ اسے دیکھتے ہیں اور تعجب کرتے ہیں کہ اس محل میں ایک اینٹ کی جگہ کیوں خالی چھوڑ دی گئی؟ "حضورؐ نے فرمایا کہ وہ اینٹ میں ہوں۔"

اب آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ محل کی تعمیر مکمل ہو چکنے کے بعد اگر کوئی اینٹ اس میں زبردستی فٹ ہونا چاہے تو معمار اس کے ساتھ کیا سلوک کریگا؟ اور اس کی اصل جگہ روڑوں اور غیر ضروری پتھروں کا ڈھیر ہوگا یا وہ ترشا ترشایا خوب صورت محل؟

(۲)

متعصب سے متعصب آدمی بھی اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ حضورؐ اپنی امت پر بے حد شفیق تھے اتنے شفیق کہ ماں باپ کی شفقت بھی اس کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ یہ اسی شفقت کا نتیجہ ہے کہ آپؐ نے فریضۂ رسالت سے متعلق کسی بات میں ابہام نہیں رہنے دیا۔ ایک ایک چیز کھول کھول کر بیان

کیا راہ کے سارے پیچ و خم بتائے، آنے والے فتنوں کی نشان دہی کی۔ قربِ قیامت کی نشانیوں کا ذکر کیا۔ غرضیکہ ہر ایسے معاملے پر روشنی ڈالی کہ جس سے آپؐ کی اُمّت کو آگے چل کر واسطہ پڑنا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو جو منصبِ عظیم عطا فرمایا تھا۔ اس کے تقاضوں کی ادائیگی کے لئے آپؐ اتنے فکرمند رہتے تھے کہ جب تک حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے ساتھیوں اور پیروکاروں سے یہ اعتراف نہیں کرالیا کہ۔

"ہاں! آپؐ نے خدا کا پیغام پہونچانے کا حق ادا کر دیا"

اس وقت تک آپؐ کا اطمینان نہیں ہوا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جس پاک ہستی نے ماضی، حال اور مستقبل کے سبھی ضروری گوشے اُمّت پر اجاگر کر دیئے ـــــ اگر آپؐ کے بعد کوئی نبی آنے والا ہوتا ـــــ تو اس کی اطلاع دینے میں العیاذ باللہ وہ کوئی کوتاہی برت سکتی تھی؟ یہ وہ عقیدہ تھا کہ جس پر ایمان لانے یا نہ لانے سے کفر اور ایمان کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر کیا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ جس نے جزئیات تک سے امّت کو روشناس کرا دیا اس بنیادی حقیقت کو متعارف کرانے میں کمی باقی رہنے دے؟ آپ سوچیں گے تو آپ کا ایمان گواہی دے گا کہ وہ لوگ جو آپؐ کے بعد بھی سلسلۂ نبوت کے اجرا، کا امکان تسلیم کرتے ہیں۔ دراصل حضورؐ پر یہ ناپاک الزام عاید کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرائضِ رسالت ادا نہیں کئے اور یہ وہ صورت ہے جسے کوئی مسلمان بقائمیٔ ہوش و حواس قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

قرآن اٹھا کر دیکھئے۔ کم سے کم سو آیات ایسی مل جائیں گی جن میں کہیں

صراحتاً اور کہیں اشارتاً حضورؐ کی خاتمیت کو بیان کیا گیا ہے، حدیث کو پڑھیئے تو ایک سو سے زیادہ اسناد سے ختم نبوت کی حدیث ہم تک پہونچی ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص بعید از قیاس تاویلوں، لغو اور مہمل دلیلوں سے ظلی و بروزی نبوت کے فتنے اٹھاتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اُمت میں انتشار پیدا کر کے دشمنانِ اسلام کے ہاتھ مضبوط کرنا چاہتا ہے۔ انجیل نے خوب کہا۔

"جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیئے ہیں۔ ان کے پھلوں سے تم انہیں پہچان لوگے کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں"

(متی باب ۷، آیت ۱۵-۱۶)

(۳)

عقیدۂ ختم نبوت کے مضمرات یوں تو بے شمار ہیں لیکن ایک دو باتیں ایسی ہیں جو ہر مسلمان کو اس کے فلسفہ اور پیغام کے طور پر دل و دماغ میں جذب کر لینی چاہئیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آخری رسول آجانے کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ اب دنیا آخری مرحلے میں آپہونچی ہے، اب اس کا دم واپسیں ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ کب یہ ساری بساط لپیٹ دی جائے ـــــ یہی وہ بات ہے جسے آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے دو انگلیاں اٹھا کر اس طرح بیان فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح ساتھ ساتھ ہیں جس طرح یہ انگلیاں — ! — اب خود ہی اندازہ کر لیجئے کہ جب قافلہ کی روانگی کا اعلان ہو چکے اور صدائے جرس کانوں میں آنے لگے تو وہ مسافر کتنا گھاٹے اور خسارے میں ہے جو اس کے باوجود بھی لمبی تان کر سوتا رہے اور کارواں کا ساتھ دینے کی تیاریاں نہ کرے۔

اسی کے ساتھ ساتھ عقیدۂ ختمِ نبوت سے اس امر کی بھی تصریح کر دی گئی کہ جس رسول کا عہدِ رسالت اب دنیا کے اختتام تک کے لئے مقدر ہو چکا اس کی اُمّت کا منصب قیادت و امامت بھی قیامت تک کیلئے مسلّم ہے۔ رسول آخری رسول ہے تو اُمّت آخری اُمّت، اب اس کے بعد کسی اور اُمّت کو برپا کرنے کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ یہی اب دنیا کی تمام قوموں کو سیدھا رستہ دکھانے پر مامور ہے اور اسی کو زیب دیتا ہے کہ یہ "خاتم اقوام" ہونے کا تاجِ شرف و فضیلت سر پر رکھے۔ علامہ اقبال مرحوم نے مثنوی اسرارِ خودی میں اسی نظریۂ خاتمیت کو یوں بیان کیا ہے۔

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسولِ ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفلِ ایام را
او رسل را ختم و ما اقوام را
خدمت ساقی گری بر ما گذاشت
داد ما را آخریں جامے کہ داشت

"لا نبی بعدی" ز احسانِ خداست

پردۂ ناموس دین مصطفےٰ است

قوم را سرمایۂ قوت ازو

حفظ سرِ وحدتِ ملت ازو

حق تعالےٰ نقشِ ہر دعویٰ شکست

تا ابد اسلام را شیرازہ بست

دل ز غیر اللہ مسلماں بر کَنَد

نعرۂ لا قوم بعدی می زَنَد

(خدا نے ہمارے رسولؐ پر رسالت اور ہم پر شریعت ختم کر دی، اب بزم کائنات کی رونق ہم سے ہے۔ ہمارے رسولؐ، انبیاء و مرسلینؑ کے خاتم ہیں تو ہم اقوام کے۔ ساقی گری کی خدمت ہمیں تفویض کی گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہمیں شراب معرفت کا آخری جام عطا کر دیا ہے۔ حضورؐ کا یہ ارشاد کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ خدا کے احسانات میں سے ایک عظیم احسان ہے اور دیکھا جائے تو یہ دینِ مصطفےٰ کے ناموس کا محافظ ہے۔ اسی ارشاد میں وحدتِ ملت کی حفاظت کا راز مضمر ہے اور مسلمان قوم کی طاقت کا اصل سرمایہ یہی عقیدۂ ختم نبوت ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ابد تک اسلام کی شیرازہ بندی کر دی ہے ہر دعویٰ کا نقش باطل کر دیا ہے۔ اسی عقیدہ کے تحت مسلمان ماسوا اللہ سے اپنا تعلق توڑ لیتا ہے اور اُمتِ مسلمہ کے بعد کوئی امت نہیں کا نعرہ بلند کرتا ہے۔)

آخرت

تو ازاں روزے کہ در ہست آمدی
آتشے یا خاک یا باد ے بُدی
گر بداں حالت تُرا بودے بقا
کہ رسیدے مر تُرا ایں ارتقا
از مبدّل ہستیٔ اول نماند
ہستیٔ دیگر بجائے او نشاند
این بقاہا از فناہا یافتی
از فنائش رُو چرا برتافتی

(مولانائے روم)

(ابتداءً تیرا وجود مٹّی، ہوا اور آگ کا مرہون منت تھا، تیری حالت بدلی اور تو نے ارتقاء کی سیڑھیاں طے کیں۔ اس نے تیری پہلی ہستی کو فنا کر کے تجھے دوسری ہستی سے ہم کنار کیا۔ یہ بقا بار بار فنا ہونے سے ملی ہے اب تو اس ہستی کے فنا ہونے سے کیوں کتراتا ہے)

———

عقیدۂ آخرت

توحید پر ایمان لانے کے بعد یہ بات صاف ہوگئی کہ خدا کوئی اندھی بہری طاقت نہیں بلکہ وہ جملہ صفات سے متصف ہے وہ منصف وعادل بھی ہے اور حکیم وحاکم بھی۔ رحیم وکریم بھی ہے اور قہار وجبار بھی۔ یہ اور دوسری ساری صفتیں وہ ہیں جن کے مظاہر کائنات کے گوشے گوشے میں نظر آتے ہیں۔ غور کیا جائے تو عقیدۂ آخرت ان صفات کا بدیہی اور منطقی نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

اگر خدا عادل ہے تو عقل تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنے فرمانبرداروں کو انعام واکرام سے نوازے اور جو اس کے منکر ونافرمان ہیں انہیں سزا دے، ہر شخص کو ٹھیک ٹھیک اس کے اعمال وافعال کا بدلہ ملے۔ نیک کامیاب ہوں اور بد ناکام لیکن عملاً آپ دیکھئے کیا ہو رہا ہے۔ یہاں بالعموم راحت

آرام کی زندگی وہ گزار رہے ہیں جو خدا نام کی کسی چیز کو جانتے تک نہیں
ہ روپے پیسے سے کھیلتے ہیں اور کاروں اور ہوائی جہازوں میں سفر کرتے
یا مگر وہ لوگ جو موحد ہیں اور احکام خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرتے
ا عموماً غربت و افلاس اور معاشی بدحالی کے شکار نظر آتے ہیں۔ اگر
نیا اسی حال میں ختم ہو جائے تو خدا کی صفت عدل کوئی معنی نہیں رکھتی۔!

اسی طرح ہم نے مانا کہ خدا حکیم ہے اور اس کا کوئی کام حکمت و مصلحت
خالی نہیں ہوتا۔ لیکن فرض کر لیجئے اگر دنیا کی یہ محفل یوں ہی اجڑ جائے
ر کارخانۂ حیات بس بے مقصد ہی درہم برہم ہو جائے۔ انسانی کردار
ناتِ ارضی کی سٹیج پر ایک ڈرامہ دکھا کر چھلاوے کی طرح غائب ہو جائیں
ون ہے جو خالقِ کائنات کو حکیم مانے گا؟ سوچا جائے تو اس صفتِ حکمت کا
ب سے آپ مطلب ہی یہ ہے کہ دنیا بے مقصد ختم نہ کر دی جائے بلکہ اس کا
یام بھی غایت درجہ حکیمانہ ہو!

ہم نے تسلیم کیا کہ خدا رحیم و کریم ہے، اتنا رحیم و کریم کہ اس کے رحم و کرم
ندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ پھر کیا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس دنیا میں
گ ستائے جا رہے ہیں۔ وہ ان کے سروں پر دستِ شفقت نہ رکھے اور
ومں کی دادرسی نہ کرے؟ غور کرنے کی بات ہے اس کا نام لینے پر کتنوں
گاروں پر لٹایا گیا۔ کتنے بے گھر ہو گئے کتنے تھے جنھیں آروں سے چیر ڈالا
پھر —— کون یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ وہ اپنے ان چاہنے
ں پر داد و دہش کی بارش نہیں کرے گا اور انہیں حیاتِ جاودانی کی

لذتوں سے خورسند نہیں بنائے گا ــــ ؟ اگر ایسا نہ ہو تو اس کی صفت رح
پر حرف آتا ہے اور یہ وہ قیاس ہے جسے قبول کرنے کے لئے کوئی موحد
نہیں ہو سکتا۔

عقیدۂ توحید نے بتایا کہ اللہ تعالےٰ "احکم الحاکمین" ہے اور اس
بالادستی سب پر قائم ہے پھر کیا یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس حاکم حقیقی
کوئی عدالت نہیں ہوگی، اور وہ مجرموں اور باغیوں کو سزا نہیں دے گ
جب دنیا کے چھوٹے چھوٹے حاکموں کے متعلق بھی ہم یہ تصوّر نہیں کر سکتے۔
اس سب سے بڑے حکمران کے متعلق یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے؟

اسی طرح آپ اللہ تعالےٰ کی دوسری صفات سامنے رکھیں۔ تو آ
دل گواہی دے گا کہ ایک ایسا جہان ہونا چاہئے جس میں دنیا کی ان
اعتدالیوں کا ازالہ ہو سکے اور اللہ تعالےٰ کی صفات کے تقاضے پورے
ــــ عقل سلیم کی روشنی میں جب بھی سوچا گیا ہے یہی نتیجہ سامنے آیا ہے

خاندانِ قریش کے مشہور سیاست دان اور زیرک راہ نما حضرت عمرؓو ابن
العاص دعوتِ اسلام سے چڑ کر حبشہ چلے آئے تھے لیکن جب یہاں انہو
ٹھنڈے دل و دماغ سے دنیا و آخرت کے مسئلہ پر سوچا تو ان کا دل عق
آخرت پر مطمئن ہو گیا۔ روایت ہے کہ قریش کا ایک نوجوان ان کے پاس
اور کہا "اے ابو عبداللہ! قوم کا خیال ہے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم
طرف مائل ہو گئے ہو!" حضرت عمرؓو ابن العاص نے اسے ایک مقام متع
پر ملنے کا وقت دیا اور جب یہ دونوں ملے تو ابن عاص نے اس نوجوان سے

"میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ ہم ہدایت پر ہیں یا ایرانی اور رومی ؟ نوجوان نے ایک لمحہ سوچے بغیر جواب دیا "ہم"، حضرت عمرو رضؓ ابن العاص نے مسکت لہجے میں کہا "پھر یہ راست روی کی فضیلت ہمارے کس کام کی ؟ جب مادّی اعتبار سے وہ ہمارے مقابلے میں کہیں زیادہ صاحب اقتدار ہیں ـــــ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ دوسری زندگی کے متعلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں وہ سچ ہے، واقعی آخرت ہی میں نیکی کا بدلہ نیکی اور برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے گا"[1]

دیکھا آپ نے! دنیا میں راست روی کا نتیجہ اگر مادّی اعتبار سے وہی ہو جو ہماری نظروں کے سامنے ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ خدا رحمے، حضرت عمرو رضؓ ابن العاص نے خدا کی قسم دے کر اپنے ساتھی سے اسی لئے سوال کیا تھا، تاکہ ایمان باللہ کی روشنی میں ایمان بالآخرۃ پر استدلال کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام نے عقیدۂ آخرت کو توحید کی ایک فرع اور شاخ قرار دیا ہے اگر آپ توحید پر ٹھیک ٹھیک ایمان لے آتے ہیں تو آپ کا ایمان لازماً عقیدۂ آخرت کی طرف آپ کی راہ نمائی کرے گا۔ اور اگر آخرت کے متعلق آپ کو شبہات لاحق ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ توحید کی حقیقت اور اصلیت سے بالکل بے خبر ہیں!

---

[1] بحوالہ عمر فاروق اعظم از محمد حسین ہیکل۔

قرآن حکیم نے اسی لئے آخرت پہ اعتراض کرنے والوں کو خدا کا منکر قرار دیا ہے۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرَابًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ

"اب اگر تمہیں تعجب کرنا ہے تو تعجب کے قابل لوگوں کا یہ قول ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کئے جائیں گے؟ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے رب سے کفر کیا ہے۔"

اسی آیت میں آگے چل کر کہا:-

وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

"اور یہی ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے یہ جہنمی ہیں اور جہنم ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔" (سورۂ رعد آیت ۵)

عقیدۂ آخرت کی اہمیّت

کہا جا سکتا ہے کہ آخرت کے ہونے نہ ہونے کا مسئلہ ایک مابعد الطبیعاتی مسئلہ ہے اور اسے توحید اور رسالت کی طرح ایمان و اسلام کی بنیاد قرار دینا صحیح نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ سچائی ہے جسے جھٹلانے سے دین و مذہب کا سارا نظام باطل ہو جاتا ہے، مذہب کا اصل الاصول یہ ہے کہ

انسان نیک بن جائے اور خالق کے احکام کی اطاعت کرے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کے اندر کی "انسانی جبلت" اس کے لئے ایک محرک بھی ثابت ہوتی ہے۔ مگر یہ محرک اتنا کمزور ہے کہ بسا اوقات انسان کی حیوانی خصلت اس پر غالب آجاتی ہے، شہرت، ذاتی منفعت اور اس طرح کے چند دوسرے عارضی اور ناپائدار عوامل جہاں غالب ہوئے آدمی غلط کاری پر اتر آتا ہے، آپ خود سوچئے اگر ایک شخص کا عقیدہ یہ ہو کہ دنیا کے بعد کوئی اور عالم نہیں اور ہم سے کوئی بالادست طاقت زندگی کا احتساب نہیں کرے گی تو اسے کیا پڑی ہے کہ وہ گلچھرے نہ اڑائے، رشوت نہ لے اور زنا نہ کرے، بدی کے دلفریب اور بظاہر پُرکشش رستے کو چھوڑ کر وہ نیکی کے خارزار میں کیوں اُلجھے ـــــ!

جہاں قدم قدم پر پابندیاں ہیں اور جس کا ایک ایک موڑ زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے

یہ قدم قدم بلائیں، یہ سوادِ کوئے جاناں
وہ یہیں سے لوٹ جائے جسے زندگی ہو پیاری

آپ کہیں گے انسانی راہ نمائی کے لئے ضمیر جو موجود ہے مگر کبھی آپ نے سوچا۔ ضمیر ہے کیا چیز ـــــ؟ یہ کوئی مستقل اور نہ تبدیل ہونے والی چیز نہیں ہو سکتا ہے کہ میرا ضمیر مجھے جس بات پر ملامت کرتا ہے آپ کا ضمیر اس بات پر آپ کو نہ ٹوکے۔ اسی طرح ایک ہندو کا ضمیر جن باتوں میں آڑے آتا ہوگا۔ ممکن ہے ایک مسلمان انہیں قابلِ اعتراض نہ سمجھے۔ ایک مواحد اور دہریے کا ضمیر بھی آپس میں زمین آسمان کا اختلاف رکھتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ ضمیر دراصل انسانی

عقائد و نظریات اور مخصوص تربیت کے مطابق کام کرتا ہے۔ جب ضمیر کی اصلیت یہ ہو تو کون دعوے کر سکتا ہے کہ یہ نیکی پر ابھارنے کے لئے کافی ہے۔؟

پس حقیقت یہ ہے کہ سیرت سازی اور حصولِ نیکی کے لئے ضروری ہے کہ ہم آخرت پر ایمان لائیں اور یہ یقین پیدا کریں کہ مرنے کے بعد ہم سے ایک ایک لمحے کا حساب لیا جائے گا۔ یہی وہ یقین ہے جو کھلے اور چھپے ہمیں گناہوں سے بچاتا ہے اور صحیح خطوط پر ضمیر کی تربیت کر کے اسے نیکی کا ایک زوردار محرک بنا دیتا ہے۔

اشکالات کا بُنیادی حَل

توحید کی طرح عقل حیلہ ساز عقیدۂ آخرت کے بارے میں بھی کچھ سوالات اٹھاتی ہے ـــــ اور سوالات کس چیز کے بارے میں نہیں اٹھائے جا سکتے ـــــ مگر یہاں بھی بات فقط اتنی ہے جس کا مذکور پہلے ہو چکا کہ عقائدِ اسلام کو عقل کے خلاف تو کوئی نہیں ٹھہرا سکتا۔ البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ عقل ان میں سے بعض کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ صرف اتنی سی بات پر اگر ہم حقائق کا انکار کرنے بیٹھ جائیں تو ہم سے بڑھ کر بے عقل اور کم سواد کون ہو گا۔ "کنوئیں کا مینڈک" اگر یہ سمجھنے لگ جائے کہ دنیا جو کچھ ہے وہ کنوئیں کے اندر ہے اس لئے کہ باہر کی دنیا اس نے دیکھی نہیں تو کون اس کی بات کو تسلیم کرے گا؟ یا ایک بچہ اگر ماں کے پیٹ میں

صرف "بطن مادر" ہی کو ساری کائنات مانے اور اس کے باہر کے جہان "کن فیکون" کا انکار کر دے تو کون صاحب عقل اس کو باور کرائے گا؟ یہ دلیل تو اس کے پاس بھی ہے کہ ماں کے پیٹ کے علاوہ کسی دوسری دنیا کا وجود عقل میں نہیں آتا ـــــ مولانا روم نے اسی "عقل پرستی" پر تنقید کرتے ہوئے کہا اور خوب کہا۔

اے کہ اندر چشمۂ شور است جات
تو چہ دانی شطّ و جیحون و فرات

اے وہ کہ چشمۂ شور تیرا مقام ہے تو کیا جانے کہ یہاں جیحوں و فرات جیسے دریا بھی موج زن ہیں۔

ایک اور جگہ کہا۔

چوں آں کرمے کہ در سنگے نہاں است
زمین و آسماں او ہماں است

پتھر میں رہنے والا کیڑا اگر یہ سمجھے کہ زمین و آسمان جو کچھ ہیں بس اسی پتھر کے اندر ہیں تو اسے مطعون نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ غریب بھی عقل کی روشنی میں اس نتیجے پر پہونچا ہے کہ جو کچھ نظر نہیں آتا اور جو عقل کی دسترس سے باہر ہے اسے میں کیسے مانوں ـــــ ؟ کہئے آپ کا کیا فیصلہ ہے؟ آپ عقل ہی کو سب کچھ مانیں گے یا ضمیر و وجدان، آثار کائنات اور انبیاءؑ کی شہادت کو بھی درخور اعتنا سمجھیں گے ؟ ـــــ دیکھئے! قرآن نے منکرین آخرت کے متعلق کتنی سچی بات کہی۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ۔

"نہیں یہ بات نہیں ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ جس بات پر یہ اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے، اور جس بات کا نتیجہ ابھی پیش نہیں آیا۔ اس کے جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے۔" (سورہ یونس۔ آیت ۳۸)

سائنس اور عقیدۂ آخرت

ہر شخص یہ اعتراف کرے گا کہ عصرِ حاضر میں انسانی عقل کا جو بھرپور مظاہرہ سائنس کی شکل میں ہوا ہے وہ انسانیت کی پوری تاریخ میں لاجواب و بے مثال ہے یہی وجہ ہے کہ ظاہر پرست طبائع بات بات پر سائنس دانوں کے افکار و نظریات کا حوالہ دیتی ہیں اور اس طرح انکارِ خدا اور انکارِ آخرت کے ذہنی سہارے تلاش کرتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود سائنس دان اور مغرب کے ممتاز مفکرین اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ آخرت۔ وحی، اور اس طرح کے دوسرے حقائق سائنس کے حدودِ عمل سے خارج ہیں یہی نہیں بلکہ عقل کو خدا سمجھنے والے یورپ میں اب اہلِ علم کھلم کھلا دنیا کی مکمل تباہی پر ایمان لا رہے ہیں۔ جوہری بم کی ایجاد ایک عظیم الشان ایجاد سہی مگر برٹنڈرسل کو اسی کے اندر دنیا کی مکمل تباہی نظر آ رہی ہے۔ انہوں نے ۱۹۴۸ء کے موسم سرما میں ریڈیو سے ایک تقریر نشر کی اور کہا۔

"اگر جوہری بم زیادہ تعداد میں پھینکے گئے ـــــ اور عظیم جنگوں کا سلسلہ جاری رہا تو ظاہر ہے کہ پھینکے جائیں گے ـــــ تو بعض ماہرین طبیعات کا خیال یہ ہے (اور ان کی رائے واجب لحاظ و احترام ہے) کہ یہ بم تابکار پیدا کر دیں گے جو ہوا سے گھُل مل کر اڑتے اور ادھر سے ادھر گذرتے ہوئے زندگی کی ہر صورت کو ختم کر دیں گے اور چند سال بعد ہماری زمین انسانوں، جانوروں اور پودوں سے بالکل محروم اور خالی ہو جائے گی"[1]

انہی برٹینڈرسل نے "مذہب اور سائنس" میں ایک قدم اور آگے بڑھایا صاف لکھا کہ۔

"وہی قوانین جو ترقی کا باعث ہوتے ہیں۔ تنزل کا سبب بھی بن جاتے ہیں۔ ایک دن سورج سرد پڑ جائے گا اور زندگی ختم ہو جائے گی۔ زمین پر حیوانی اور نباتی زندگی کی پوری تاریخ بہت گرم اور بہت سرد زمانوں کے بیچ کا ایک وقفہ ہے۔ مسلسل ارتقاء کوئی کلیہ نہیں۔ بلکہ تنزل اور ترقی کا پنڈولم ادھر ادھر حرکت کر رہا ہے جس میں بلاشبہ کائناتی قوتوں کے انتشار کی وجہ سے نیچے کی طرف ایک خفیف سا رجحان پایا جاتا ہے"

لوگ شاید تنہا برٹنڈرسل کے کہنے پر "سائنس کے محدود دائرہ کا نظریہ"

---

[1] بحوالہ علم کے نئے افق از سی ایم جوڈ صفحہ ۹۲

تسلیم نہ کرتے۔ اس لئے "مذہب اور سائنس" ہی میں برٹنڈرسل نے متعدد دوسرے اہلِ علم کو اپنے افکار پر گواہ بنایا۔ ان خیالات کا مطالعہ کیجئے اور پھر بتائیے کہ کیا سائنس کو عقیدۂ آخرت کا نقیض ٹھہرانا صحیح ہے۔

سر آرتھر تھامپسن کہتے ہیں

"سائنس، سائنس ہونے کی حیثیت میں "کیوں" کا سوال کبھی نہیں اٹھاتی، وہ تخلیق سے پہلے اور اس کے بعد کی غرض و غایت کے بارے میں کبھی تجسس نہیں کرتی ـــــ سائنس حقیقت کا نقطۂ آغاز یا اس کا سنگِ بنیاد ہونے کا دعوےٰ کبھی نہیں کرتی۔ سائنس ماورائے محسوسات اور روحانی مسائل میں "اپنے طریقے" استعمال کرنے سے عاجز ہے۔

ڈاکٹر مینوسکی کا کہنا ہے

"وحی اور الہام ایک ایسا تجربہ ہے جو اصولی حیثیت سے سائنس کے حدودِ عمل سے پرے ہے۔"

سر آرتھر تھامپسن مزید لکھتے ہیں۔

"سائنس "کیوں" کا جواب نہیں دے سکتی، البتہ مذہب اس کا جواب دے سکتا ہے کہ ستارے کیوں بنے؟ سورج سے سیارے کیوں پھوٹے؟ یا زمین کیوں پیدا ہوئی اور اس سے آخرکار زندگی کیوں پیدا ہوئی۔"

پروفیسر جے۔ ایس ہالڈین کی تحقیق ہے کہ۔

"ہم اپنے داخل کے سچے عملی تصورات، حق، ایثار، جمال اور ان سے
حاصل شدہ برادرانہ تعلقات کے اصولوں میں خدا کا جلوہ پا
سکتے ہیں۔"

برٹینڈرسل نے یہ اور اس طرح کے دوسرے متعدد حوالے نقل کرنے کے بعد سائنس کی "نارسائی" کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"سائنس اقدار کے متعلق کچھ نہیں کر سکتی اور ایسے مسائل مثلاً
"محبت نفرت سے بہتر ہے" اور "رحم ظلم سے افضل ہے" کے
متعلق کوئی رائے نہیں دے سکتی۔"

ہو سکتا ہے آپ کہیں کہ سائنس اگر آخرت اور دوسرے مابعد الطبیعاتی عقائد کا انکار نہیں کرتی تو ان کا امکان بھی تو تسلیم نہیں کرتی ـــــ آئیے اس سلسلے میں ایک اقتباس اور بھی پڑھ لیجئے۔ برطانیہ کے مشہور سائنس دان مسٹر ہوئل نے کوہ پالومر (کیلیفورنیا) کی ۲۰۰ انچ دہانے والی دوربین سے کائنات کا مشاہدہ کیا۔ ان کے انکشافات ۲۰ ستمبر کے "مارننگ نیوز" ڈھاکہ میں شائع ہوئے ہیں۔ مسٹر ہوئل کائنات کی بوقلمونیاں دیکھنے کے بعد بے اختیار پکار اٹھے۔

"اس کائنات میں ہر چیز ممکن ہے یعنی روحانیت اگر کوئی چیز
ہے تو کائنات میں اس کے لئے گنجائش ہے اور اگر جنت و دوزخ
کوئی چیز ہے تو کائنات میں ان کے لئے بھی گنجائش ہے۔"

خسارے میں کون ہے؟

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کا قیاس یہ ہے کہ دنیا ایک دن بہرحال تباہ و برباد ہو جائے گی اور اس کے بعد اس کرۂ ارض پر زندگی کا نام و نشان باقی نہیں رہے گا۔ "قیاس" کا لفظ ہم نے اس لئے استعمال کیا ہے کہ وہ اپنے اس نظریہ کے ثبوت میں کسی عینی مشاہدے کی دلیل نہیں رکھتے یہ محض ان کا ظن ہے کہ دنیا کے خاتمے پر کسی دوسرے عالم کا ظہور نہیں ہو گا اور ظن کے لئے ضروری نہیں کہ وہ صحیح نکلے۔ فرض کیجئے۔ آخرت کو جھٹلانے والا گروہ اس چند روزہ زندگی میں شریعت الٰہی کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے اور مرنے کے بعد اس کے نظریہ کے مطابق اس سے کوئی محاسبہ نہیں کیا جاتا، تو اسے بجز اس بات کے کوئی فائدہ نہیں ہوگا کہ وہ دنیائے فانی میں جی بھر کر بے اعتدالیاں کر چکا ہے اور اس نے یہاں خوب آزادی کے دن گذارے ہیں لیکن اگر اس گروہ کا ظن بے بنیاد ثابت ہوا۔ جیسا کہ دنیا کی عظیم اکثریت مانتی چلی آئی ہے تو اندازہ کیجئے کہ چند دن کی عارضی لذت کے لئے اسے جو عذاب بھگتنا پڑے گا وہ اس آزادی و بے راہ روی کے عوض اسے کتنا مہنگا پڑیگا؟ جو لوگ انبیائے صادقین علیہم السلام کی اطلاع پر یقین بلکہ عین الیقین رکھتے ہیں ان سے بحث نہیں کہ وہ اپنے پختگیٔ ایمان کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں رکھتے۔ سوال تو ان کم سوادوں سے ہے جو ماورائے عقل امور میں بھی

عقل سے فیصلہ کرانے کے خواہش مند ہیں انہیں سوچنا چاہیئے کہ اس عظیم ترین "خطرے" کے باوجود وہ اپنے ظن اور قیاس پر کیوں اڑے ہوئے ہیں ـــــ ہم اپنی صحت خراب ہونے کے خطرہ سے بچنے کے لئے ـــــ کیا کیا پابندیاں عائد نہیں کر لیتے۔ پھر کیا آخرت کے یوم حساب کا خطرہ ـــــ صحت بگڑنے سے بھی کم تر درجہ رکھتا ہے کہ اسے یکسر نظر انداز کر دیا جائے۔؟

کوئی یہ نہ سمجھے کہ العیاذ باللہ ہم آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ اس بنیادی سچائی میں شک لاحق ہونے کے وسوسۂ شیطانی سے ہزار بار پناہ! مقصود صرف اتنا ہے کہ عقل ہی کو سب کچھ ماننے والے یقین کی راہ سے تو بات نہیں سمجھیں گے۔ چلئے سود و زیاں کے نقطۂ نظر ہی سے اس معاملہ پر غور کر لیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی ایک منکر خدا سے مناظرہ کرتے ہوئے یہی بات فرمائی تھی۔ آپ نے ایک ملحد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ تو کہتا ہے (یعنی خدا سچا ہے) تو میں بھی بچ گیا تو بھی بچ گیا اور اگر ایسا ہے جیسا کہ میں کہتا ہوں (یعنی ذات باری کا وجود ہے) تو میں بچ گیا اور تو پھنس گیا اور ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا ہو گیا۔

کیمیائے سعادت میں امام غزالیؒ نے اس قول کی خوب تشریح کی ہے حضرت امام رح لکھتے ہیں۔

> "اور یہ بات جو امیر المومنین حضرت علی رضؓ نے فرمائی اس وجہ سے نہ تھی۔ کہ آپ کو جناب باری کی ذات میں شک تھا بلکہ ایسا کہنا اس ملحد کی عقل کے مطابق تھا۔ کیونکہ آپ نے سمجھ لیا

تھا کہ راہ یقین اس ملحد کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ پس اس سے سمجھ لے کہ جو کوئی دنیا میں زاد آخرت کے سوا دوسری چیزوں میں مشغول ہے وہ بے وقوف ہے اور اس کی غفلت کا سبب اور امور عاقبت میں غور نہ کرنے کی وجہ خواہشات دنیا کا غلبہ ہے جو اسے غور کرنے کی مہلت نہیں دیتا اور وہ جو عذاب آخرت پر یقین رکھتا ہے اور وہ جو ظن غالب رکھتا ہے اور وہ جو گمان ضعیف رکھتا ہے۔ عقل کی رُو سے سب پر واجب ہے کہ اس خطرۂ عظیم سے بچیں اور احتیاط و امن کا راستہ اختیار کریں[۱]۔"

آخرت کے چند مناظر — قرآن میں

عقیدۂ آخرت کی اہمیت ذہن نشین کرانے کے لئے قرآن و حدیث میں جگہ جگہ اس کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ صرف عدالت آخرت کے وہ مناظر ہی یکجا کر دیئے جائیں جو کتاب پاک و احادیث میں نظر آتے ہیں تو بلا مبالغہ ایک کتاب تیار ہو جائے۔ ہم ذیل میں سب سے پہلے قرآن سے عالم

---

[۱] کیمیائے سعادت باب چہارم معرفت آخرت

آخرت کا ایک نقشہ آپ کے سامنے پیش کریں گے اور پھر احوال آخرت پر مشتمل چند احادیث بیان کریں گے ـــــ یہ جھلکیاں اتنی ہولناک ہیں کہ انہیں دیکھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

عدالت آخرت میں مجرموں کی حاضری

"ڈراؤ انہیں اس دن سے جب کہ زمین اور آسمان بدل کر کچھ سے کچھ کر دیئے جائیں گے اور سب کے سب اللہ واحد قہار کے سامنے بے نقاب حاضر ہو جائیں گے اس روز تم مجرموں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں ہاتھ پاؤں جکڑے ہوں گے تار کول کے لباس پہنے ہوئے ہوں گے اور آگ کے شعلے ان کے چہروں پر چھائے جا رہے ہوں گے۔" (سورہ ابراہیم آیت ۴۸-۴۹-۵۰)

گواہ پیش ہوں گے

"آج ہم ان کے مُنہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے (ان کے کرتوت) بیان کریں گے، اور جو کمائی وہ کرتے تھے ان کے پاؤں اس کی گواہی دیں گے۔" (سورہ یٰسین)

"ان پر گواہی دیں گے ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں کہ وہ کیا کچھ کرتے تھے وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے

ہمارے خلاف کیوں گواہی دی ؟ وہ جواب دیں گی اس
خدا نے ہم کو بھی گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی دی ہے "
(حٰمٓ سجدہ ع ۲)

فدیہ دے کر نہیں چھوٹا جا سکے گا!

" اگر ہر شخص کے پاس جس نے ظلم کیا ہے۔ روئے زمین کی دولت
بھی ہو تو اس عذاب سے بچنے کے لئے وہ اسے فدیہ میں دینے
پر آمادہ ہو جائے گا، جب یہ لوگ اس عذاب کو دیکھ لیں گے
تو دل ہی دل میں پچھتائیں گے مگر ان کے درمیان پورے
انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا۔ کوئی ظلم ان پر نہ ہوگا "
(سورہ یونس آیت ۵۵)

دولت اور دوستیوں کا سہارا

" اے نبی میرے جو بندے ایمان لائے ہیں ان سے کہہ دو کہ نماز قائم
کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں کھلے اور چھپے راہ خرچ
کریں۔ قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور
نہ دوست نوازی ہو سکے گی " (سورۂ ابراہیم آیت ۳۱)

پیشواؤں کا اظہارِ عجز و بریت

"اور یہ لوگ جب اکٹھے اللہ کے سامنے بے نقاب ہوں گے تو اس وقت ان میں سے جو دنیا میں کمزور تھے وہ ان لوگوں سے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہیں گے "دنیا میں ہم تمہارے تابع تھے اب کیا تم اللہ کے عذاب سے ہم کو بچانے کے لئے بھی کچھ کر سکتے ہو؟" وہ جواب دیں گے اگر اللہ نے ہمیں نجات کی کوئی راہ دکھائی ہوتی تو ہم ضرور تمہیں بھی دکھا دیتے اب تو یکساں ہے خواہ ہم جزع فزع کریں یا صبر، بہر حال ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں"

(سورۂ ابراہیم - آیت ۲۱)

"اور جب وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں شرک کیا تھا اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے" اے پروردگار! یہی ہیں ہمارے وہ شریک جنھیں ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے" اس پر ان کے وہ معبود انہیں صاف جواب دیں گے کہ تم جھوٹے ہو"

(سورہ النحل آیت ۸۶)

مریدوں کی حسرت

"جب پیشوا اپنے پیروؤں سے اظہار بے زاری کریں گے، اور

(دونوں) خدا کا عذاب دیکھ لیں گے اور ان کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے اور جنھوں نے پیروی کی ہوگی وہ (حسرت سے) کہیں گے کہ کہیں ایسا ہوتا کہ ہمیں دوبارہ دنیا میں جانا نصیب ہوتا تو ہم بھی ان سے اسی طرح اظہار بے زاری کرتے۔ جس طرح انھوں نے ہم سے بے زاری ظاہر کی ہے۔"

(البقرہ ع ۱۹)

مجرموں کی پشیمانی

"واقعی ہمارے رب کے رسولؑ حق لے کر آئے تھے۔ پھر کیا اب ہمیں کچھ سفارشی ملیں گے جو ہمارے حق میں سفارش کریں۔ یا ہمیں دوبارہ (دنیا میں) واپس ہی بھیج دیا جائے تاکہ ہم جو کچھ پہلے کرتے تھے اس کے بجائے اب دوسرے طریقے پر (خدا کے حکم کے مطابق) کام کریں۔" (الاعراف ع ۶)

انجام

"جن لوگوں نے بھلائی کا طریقہ اختیار کیا۔ ان کے لئے بھلائی ہے اور مزید فضل۔ ان کے چہروں پر روسیاہی اور ذلت نہ چھائے گی

وہ جنّت کے مستحق ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں، ان کی برائی جیسی ہے ویسا ہی وہ بدلہ پائیں گے۔ ذلّت ان پر مسلط ہوگی۔ کوئی اللہ سے ان کو بچانے والا نہ ہوگا۔ ان کے چہروں پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہوگی جیسے رات کے سیاہ پردے ان پر پڑے ہوئے ہوں ۔ وہ دوزخ کے مستحق ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔" (سورہ یونس۔ آیت ۲۶-۲۷)

آخرت کے چند مناظر حدیث میں

تین گروہ

"حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "قیامت کے دن سب آدمی تین قسموں اور تین گروہوں میں اٹھائے جائیں گے۔ ایک قسم پیدل چلنے والے، ایک قسم سوار اور ایک قسم منہ کے بل چلنے والے۔" عرض کیا گیا "یا رسول اللہ! یہ (تیسرے گروہ والے) منہ کے بل کس طرح چل سکیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: جس نے انہیں پاؤں کے بل چلایا ہے، وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ انہیں منہ کے بل چلائے۔" معلوم ہونا چاہئے کہ یہ لوگ اپنے منہ کے ذریعے ہی زمین کے ہر ٹیلے ٹھہرے اور ہر کانٹے سے بچیں گے۔ (ترمذی)

سب سے ہلکا عذاب

نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہوگا جس کی چپلیں اور ان چپلوں کے تسمے آگ کے ہوں گے، ان کی گرمی سے اُس کا دماغ اس طرح کھولے گا، اور جوش مارے گا کہ جس طرح چولھے پر دیگچی کھولتی ہے اور اس میں جوش آتا ہے وہ نہیں خیال کرے گا کہ کوئی شخص اس سے زیادہ سخت عذاب میں بھی ہے حالانکہ وہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

جہنّمیوں کی غذا

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ "غسّاق" (یعنی وہ سڑی ہوئی پیپ جو جہنّمیوں کے زخموں سے نکلے گی اور جس کے متعلق قرآن مجید میں بتلایا گیا ہے کہ وہی انتہائی بھوک میں اُن کی غذا ہوگی وہ اس قدر بدبودار ہوگی کہ اگر اس کا ایک ڈول اس دنیا میں بہا دیا جائے تو ساری دنیا (اس کی سڑاہند سے) بدبُودار ہو جائے۔ (ترمذی)

اور جنّت!!

حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ :- اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سُنا ہے ، اور نہ کبھی بشر کے دل میں کبھی ان کا خطرہ یا خیال ہی گذرا ہے ۔ (بخاری و مسلم)

قرآن وحدیث کی بیان کردہ ان چند تفصیلات کا مطالعہ کیجئے اور پھر سوچئے کہ آئندہ دنیا میں ہم کس عظیم ابتلاء سے دوچار ہونے والے ہیں ۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو گئے تو ہم سا خوش بخت کوئی نہ ہوگا اور اگر پکڑے گئے تو باوجود دنیا کی ساری خوش حالیوں اور ترقیوں کے —— ہم سے زیادہ بدبخت اور ناکام و نامراد کوئی نہ ہوگا —— کیسے ہیں وہ لوگ ! جو دنیا کے چھوٹے چھوٹے مقدموں کے لئے تو روپیہ پیسہ وقت ، محنت سب کچھ صرف کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں مگر اس سب سے بڑے مقدمہ کی تیاری کے لئے جس پر ابدی راحت وعزت اور دائمی ذلّت وخسران کا انحصار ہے ان کے پاس کوئی وقت نہیں ! فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار !

خوفِ آخرت

احوالِ آخرت کے یہی وہ روح فرسا اور ہولناک مناظر ہیں جن کی وجہ سے خدا پر حقیقی ایمان رکھنے والے لوگ کانپ کانپ اٹھتے ہیں انہیں عالمِ غیب کے ان معاملات پر اتنا یقین ہوتا ہے جیسے وہ ان ساری باتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور دیکھا جائے تو ایمانِ کامل کا مقام بھی یہی ہے کہ ہمارے دل میں جناب رسالت مآبؐ کی دی ہوئی اطلاعات پر عینی مشاہدے کا سا وثوق پیدا ہو جائے۔ امام شعرانی رحؒ نے بجا فرمایا کہ "مومنِ کامل وہ ہے جس کے نزدیک عالمِ غیب یقین میں عالمِ شہادت کے برابر ہو جائے"۔۔۔۔ اس ایمانِ کامل کا مزا جس جس نے چکھا، وہ امورِ آخرت کی سنگینی اور نزاکت کے پیشِ نظر ماہیِ بے آب بن گیا جیسے عذابِ الٰہی کا یہ سارا اہتمام اس کے لئے اور صرف اس کے لئے کیا گیا ہے یزید بن خوشب کا قول ہے کہ

"میں نے حسن بصری رحؒ اور عمر ابن عبدالعزیز رحؒ سے زیادہ کسی شخص کو قیامت سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔ گویا دوزخ صرف انہی دونوں کے لئے پیدا کی گئی ہے"۔ (سیرت عمر ابن عبدالعزیز)

اور تو اور خود سید البشر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ نماز میں آخرت سے متعلق آیات پڑھتے تو رُو رُو کر ہچکیاں بندھ جاتیں، اس گریہ وزاری کا یہ اثر آپؐ کی صحت پر پڑا، صحابہ رضؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ! آپؐ پر

بڑھاپا آگیا۔" آپؐ نے ان سورتوں کا نام لیتے ہوئے جن میں خاص طور پر عذابِ آخرت کا بیان آیا ہے، فرمایا۔" مجھے سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلٰت سورۂ عم یتسارلون اور سورہ تکویر نے بوڑھا کر دیا۔" (ترمذی)

حضورؐ کے بعد صحابہ رضؓ امت کے گلِ سرسبد ہیں کون ہے جو خدا اور رسولؐ کے نزدیک ان کے مقام سے ناواقف ہے، ان میں سے بعض وہ تھے جنھیں آنحضورؐ نے ان کی زندگی ہی میں جنّت کی بشارت دی تھی مگر اس کے باوجود وہ قیامت کے دہشت ناک عذاب کے ڈر سے زندگی بھر بے چین و مضطرب رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ پر تو اس خوف کا اتنا غلبہ تھا کہ ایک مرتبہ ایک چڑیا کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو اس کو خطاب کر کے کہنے لگے۔

"واہ! اے چڑیا! تو کتنی خوش نصیب ہے، اے کاش! میں بھی تیرے جیسا ہوتا، تو درخت پر بیٹھتی ہے۔ پھل کھاتی ہے، اور پھر اڑ جاتی ہے، تجھ سے نہ کوئی حساب ہے اور نہ کتاب۔ آہ۔ اے کاش میں ایک سرِ رہگذرِ عام ایک درخت ہوتا۔ اونٹ وہاں سے گذرتا، مجھ کو پکڑتا، اپنا منہ مجھ میں مارتا، مجھ کو چباتا، اور اس طرح میری تحقیر کرتا اور پھر مینگنی کی شکل میں مجھ کو خارج کر دیتا، یہ سب کچھ ہوتا مگر میں بشر نہ ہوتا۔" (کنز العمال بحوالہ صدیق اکبر رضؓ)

حضرت عمر فاروق رضؓ جیسے صاحبِ جبروت، جن کا نام سُن کر قیصر و کسریٰ تک پر رعب طاری ہو جاتا تھا، دنیا سے رخصت ہونے لگے تو صحیح بخاری کی روایت ہے کہ یہ فقرہ ان کے لبوں پر کھیل رہا تھا۔

"اللہ کی قسم! اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہو تو میں اللہ کے عذاب کو دیکھنے سے پہلے اس سب کو فدیہ میں دے ڈالوں اور اپنی جان چھڑا لوں"

یہی امیر المومنین عمر رضہ ایک دفعہ اپنی رعایا میں سے ایک مفلس عورت کے لئے سامان خورد و نوش لے کر جا رہے تھے۔ غلام نے عرض کیا! امیر المومنین میرے ہوتے آپ یہ بوجھ کیوں اٹھاتے ہیں۔ میں جو اس خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ حضرت عمر رضہ نے جواب دیا۔

"تم آج تو میرا بوجھ اٹھا لو گے مگر قیامت کے دن میرا بوجھ کون اٹھائے گا؟"

ضرار اسدی کہتے ہیں کہ میں مختلف لڑائیوں میں حضرت علی رضہ کے ساتھ تھا۔ میں نے دیکھا کہ جب آخر شب ستارے ڈوبنے کو ہوتے حضرت علی رضہ اٹھتے۔ اپنی ڈاڑھی پکڑ کر اس طرح بے چینی کا اظہار کرتے جیسے انہیں کسی سانپ نے ڈس لیا ہو۔ گریہ وزاری کرتے اور ساتھ ساتھ کہتے جاتے۔

"اے دنیا! مجھ کو دھوکا نہ دے۔ دوسروں کو دے! میرے پیچھے کیوں پڑی ہے۔ میں تو تجھ کو تین طلاقیں دے چکا ہوں جنھیں میں کبھی واپس نہیں لے سکتا، اے دنیا! تیری عمر بہت ہی کم اور تیرے پیچھے پڑنا بہت ہی چھوٹی سی بات ہے، آہ! توشہ کم ہے اور ایک طویل سفر درپیش ہے"

تابعین میں امام اعظم ابو حنیفہ رح کا جو مرتبہ ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

آج بھی کروڑں مسلمان فقہ میں ان کی پیروی کرتے ہیں، ان کی حالت یہ تھی یزید بن کمیت فرماتے ہیں ایک دفعہ میں نمازِ عشا، میں آپ کے ساتھ شریک تھا۔ امام نے "اذازلزلت" سورہ کی تلاوت کی، لوگ نماز پڑھ کر چلے گئے لیکن امام اعظم رح بیٹھ گئے میں نے دیکھا کہ وہ ٹھنڈی آہیں بھر رہے ہیں۔ میں اس خیال سے اٹھ کر چلا گیا کہ حضرت امام کی عبادت میں خلل اندازی کا باعث نہ بنوں، علی الصبح پھر مسجد میں آیا تو دیکھا، آپ اسی طرح غم زدہ بیٹھے ہیں۔ ڈاڑھی ہاتھ میں ہے اور بڑی رقت کے ساتھ رُو رُو کر کہہ رہے ہیں۔

"اے وہ ذات! جو ذرّہ بھر نیکی اور ذرّہ بھر بدی کا بدلہ دے گی، اپنے غلام نعمان (ابوحنیفہؒ) کو آگ سے بچا لیجیو"

(سیرۃ نعمان)

دیکھا آپ نے! وہ ہستیاں جن کے دم قدم سے ظلمت کدۂ عالم میں اجالا ہوا، آخرت کی جواب دہی کے متعلق کتنی حساس اور پریشان تھیں؟ سوچا جائے تو یہی خوفِ آخرت تھا جو ان کی عظمت و برتری کا اصل سبب تھا، وہ جس حیثیت سے رہے، جہاں رہے انہوں نے یہ محسوس کیا کہ ہم سے ہمارے ایک ایک قول اور فعل کا حساب لیا جائے گا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خدا و خلق کے معاملات سے متعلق جو ذمہ دارانہ روش انہوں نے اختیار کی، دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ وہ مسندِ اقتدار پر بیٹھے تو انہوں نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں رات دن ایک کر دیا اور بوریا نشین ہوئے تو مخلوق خدا سے ہمدردی کی بہترین مثال قائم کر دی، جو امن و سکون اور مسرت و اطمینان ان کے عہد میں پایا جاتا تھا،

ترقی کے اس دَور میں انسانوں کو اس کا عشر عشیر بھی میسّر نہیں۔!!

سوچا تو آپ نے بھی ہوگا۔ یہ آج دلوں سے سکون کیوں رخصت ہوگیا ہے دنیا امن اور چین کو کیوں ترس گئی ہے اور اتنی ایجادات اور علوم و فنون کی اتنی اشاعت کے باوجود آدمی، بھیڑ کے بھیس میں بھیڑیا کیوں بنتا جارہا ہے؟ شاید آپ مجھ سے اتفاق کریں کہ اس کی سب سے بڑی اور بنیادی وجہ ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ لوگ یومِ آخرت کو بھول چکے ہیں، اور اس کی ہولناکیاں ان کے ذہن سے محو ہو چکی ہیں۔

جنگ عالمگیر ہوئی تو ہمہ گیر تباہی و بربادی نے قوموں کی آنکھیں کھول دیں، سنہ ۱۹۴۰ء میں لیگ آف نیشنز قائم کی گئی اسے دنیا بھر میں قیام امن کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ اس پر سالانہ دس لاکھ پونڈ سے زیادہ خرچ کیا گیا۔ مگر نتیجہ ڈھاک کے تین پات رہا۔ اور اب کے اسی مجلس کی ارکان قوموں نے باہم دگر جنگ لڑی جو پہلی جنگ سے بھی کئی سو گنا زیادہ مہلک اور بھیانک تھی اور یوں لیگ آف نیشنز کا خاتمہ ہوگیا، جنگ عظیم کے بعد ۵۹ قوموں نے مل کر پھر سے "یونائیٹڈ نیشنز" کے نام سے ایک اور تنظیم قائم کی، اس کے لئے عالی شان دفاتر تعمیر کئے گئے مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد دنیا کو اندازہ ہوگیا کہ یہ تنظیم بھی ہمارے دکھوں کی دوا نہیں بن سکتی چنانچہ آج پھر ـــــ دنیا تیسری جنگ کے نعروں سے گونج رہی ہے۔

کاش! انسانیت کو کوئی بتا سکتا کہ اس کے غموں کا مداوا نہ لیگ آف نیشنز کے پاس ہے اور نہ یونائیٹڈ نیشنز کے پاس اس کی ساری مصیبتوں کا واحد علاج

یہ ہے کہ دلوں میں خوفِ آخرت پیدا کیا جائے، یہ چیز حاصل ہوگئی تو دنیا امن اور راحت کا گہوارہ بن جائے گی۔!!

دنیا و آخرت

دنیا و آخرت کے باہمی تعلقات کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر کیا ہونا چاہئے؟ لوگ انسانی زندگی کے بعض دوسرے مسائل کی طرح اس اہم معاملہ میں بھی افراط و تفریط کے شکار ہیں، کچھ وہ ہیں جو دنیا اور متاعِ دنیا کو نجس و ناپاک سمجھ کر اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا ضروری سمجھتے ہیں ان کے نزدیک اُخروی نجات کا واحد رستہ ہی یہ ہے کہ آدمی لذائذ دنیا کا تارک ہو جائے اور کچھ وہ ہیں جو اسلام اور دنیاداری کو ہم معنی قرار دیتے دنیا پرستی کی سرحد پر آپہونچے ہیں۔ بنظر انصاف دیکھا جائے تو یہ دونوں زاویہ ہائے نگاہ، "دنیا و آخرت" سے متعلق اسلامی نظریہ کی صحیح ترجمانی نہیں کرتے۔

اگر کاروبار دنیا سے روگردانی ضروری ہوتی اور انسانی زندگی کے سارے مشاغل شیطانی ہوتے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مسلمانوں پر کسبِ معاش کو فرض قرار نہ دیتے۔ مشہور حدیث ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا "طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ"، فرائض اسلامی کی بجاآوری کے بعد رزق حلال کی طلب و جستجو فرض ہے سنت اور واجب بھی نہیں کہا، رزقِ حلال

کے حصول کی کوششوں کو فرض قرار دیا، ایک اور جگہ فرمایا: "افضل الاعمال الکسب ومن الحلال نیک اعمال میں سے سب سے زیادہ اچھی نیکی حلال روزی کمانا ہے۔" غور کیجئے، بات "فرض" ہونے سے بھی کچھ اور آگے چلی گئی۔ رزق حلال کے لئے کوشاں ہونا دوسرے تمام اعمال سے زیادہ اہم بنا دیا گیا۔ تاجر سے زیادہ دنیادار کون ہوگا کہ اسے دن رات روپے پیسے سے واسطہ رہتا ہے لیکن ذرا غور سے سُنئے دنیا کے سب سے بڑے زاہد اور عابد کا ارشاد ہے "التاجرُ الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء۔ سچا اور امانت دار تاجر (قیامت کے دن) انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔" ارشادات رسولؐ کے بعد اب ذرا اصحابہؓ کے عمل کو دیکھئے۔ ان سے بڑھ کر زہد اور اتقاء کی دولت سے کون مالا مال ہوگا؟ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے بعض چوٹی کی شخصیتیں سر و سامان دنیا کے لحاظ سے بھی بہت نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ حضرتِ عثمانؓ کا نام تو اس معاملے میں اتنا مشہور ہے کہ "غنی" کا لفظ مستقلاً ان کے نام کا جزو بن چکا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف اپنی زندگی میں جتنے کچھ صاحبِ ثروت تھے، اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ وہ فوت ہوئے تو انہوں نے وصیت کی کہ ان کے ترکے میں سے ہر بدری صحابی کو چار چار سو دینار دیئے جائیں۔ حضرت زبیرؓ اتنے مالدار تھے کہ انہوں نے "غابہ" کی زمین ایک لاکھ ستر ہزار درہم میں مول لی تھی اور یہی زمین جب حضرت عبداللہ ابنِ زبیرؓ نے اس عہد سعادت میں کسی اور کے ہاتھ فروخت کی اس سے انہیں سولہ لاکھ درہم موصول ہوئے۔ (بخاری)

حضرتِ علامہ ابن عبدالبرؒ نے اپنی مشہور کتاب جامع بیان العلم وفضلا

میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک اسی روپے پیسے کی کتنی اہمیت تھی جسے ہمارے ہاں کے انتہا پسند "شجر ممنوع" سمجھے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے کعبؓ کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہی حضرت زبیرؓ کے پاس ایک ہزار غلام تھے جو انہیں خراج دیا کرتے تھے، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے پاس وفات کے بعد ستر ہزار درہم تھے۔ حضرت سعید بن مسیبؓ کہا کرتے تھے

"بخدا وہ آدمی کسی کام کا نہیں جو اپنی آبرو بچانے اور امانت پوری کرنے کے خیال سے مال جمع نہیں کرتا"

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:-

"میرے پاس کوہِ احد کے برابر بھی سونا ہو اور اس کی زکوٰۃ دیتا رہوں تو اس سے مجھے کچھ بھی نقصان نہیں پہونچ سکتا"

(باب طلب علم اور کسبِ مال)

کچھ لوگوں کے نزدیک لذائذ دنیا کو ترک کئے بغیر مراتب عالیہ حاصل نہیں ہوتے مگر جب ہم بعض مشہور زہاد کی خوش پوشاکی اور خوش خوراکی دیکھتے ہیں تو ان کی یہ بات ہمیں ایک ذہنی مغالطہ معلوم ہوتی ہے۔ وہی امام نسائیؒ جن کی ریاضت و عبادت ایک مشہورِ عوام بات کا درجہ رکھتی ہے انہی کے متعلق ذہبی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ

"کھانے میں زیادہ تر بڑے قد والے مرغ کو پسند کرتے تھے، جو خاص کر ان کے لئے خریدے جاتے تھے اور ان کو خصی

کر کے خوب فربہ کر لیا جاتا تھا۔"

خواجہ حسن بصری رح جن کے خوفِ آخرت کا ذکر ہو چکا، لطیف غذاؤں کے اتنے شوقین تھے کہ ان کے متعلق طبقاتِ ابن سعد میں آیا ہے کہ

"حسن بصری رح کے شوربے سے زیادہ خوشگوار خوشبو میں نے کسی دوسرے آدمی کے شوربے میں نہیں دیکھی۔"

حضرت امام مالک رح کے متعلق آیا ہے کہ

"آپ ہمیشہ قیمتی لباس زیب تن فرماتے اور عطر اور خوشبو میں ڈوبے رہتے آپ گوشت کے بغیر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے اور اپنے اس ذوق پر اتنے قائم تھے کہ کسی دن اگر گوشت کیلئے پیسے نہ ہوتے اور اس کے لئے گھر کی کوئی چیز بیچنی پڑتی تو اس سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔" (الدیباج المذہب صفحہ ۱۹)

بات کچھ زیادہ طول ہو گئی لیکن کیا کیا جائے کہ دنیا اور متاعِ دنیا کے بارے میں ذہنوں میں غلط فہمیوں کی جو تہیں جم چکی ہیں ان کے ہوتے ہوئے یہ طوالت کچھ ناگزیر بھی ہے بہرحال ان چند مثالوں سے یہ بات صاف ہو گئی کہ آخرت پر ایمان لانے کا مطلب کسی صورت میں بھی ترکِ دنیا نہیں ہو سکتا۔

آئیے! اب ذرا دوسرے نقطۂ نظر کا جائزہ لیں۔ کہا یہ جاتا ہے کہ مادی ترقی اور دنیاوی خوش حالی ہی دراصل اسلام کا مقصود و مطلوب ہے اور جو لوگ بات بات پر آخرت کے حوالے دے کر کاروبارِ دنیا میں قوم کے غیر معمولی شغف کو روکنا چاہتے ہیں وہ غلطی کر رہے ہیں، ہم اس مسئلے پر بھی قرآن و حدیث

محاکمہ کریں گے۔

آیاتِ ذیل میں دنیا و آخرت کا تقابل ملاحظہ ہو۔

" اے پیغمبر آپ ان لوگوں کو بتلا دیجئے کہ دنیا کا سرمایہ تو بہت ہی قلیل ہے۔ اور آخرت بہتر ہے پرہیزگاروں کے لئے "

(النساء ع۔ ۱۱)

مزید فرمایا :۔

" یہ دنیا کی زندگی تو بس چند روزہ استعمال کے لئے ہے اور آخرت ہی اصل رہنے کی جگہ ہے "

(المومن ع۔ ۵)

ایک اور جگہ ارشاد ہوا

" اور دنیا کی زندگانی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ بس کھیل تماشا ہے اور آخرت کا گھر ہی بہتر ہے ان لوگوں کیلئے جو پرہیزگاری کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں "

(الانعام۔ ع۔ ۴)

احادیث کو دیکھا جائے تو ان میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ... پیراؤں سے دنیا اور طالبانِ دنیا کی مذمت فرمائی ہے۔

" حضرت ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندۂ دینار خدا کی رحمت سے محروم ہوا اور بندۂ درہم خدا کی رحمت سے دور رہے " (ترمذی)

ایک اور حدیث میں کعبؓ بن عیاض سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ
"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ارشاد
فرماتے تھے کہ ہر امت کے لئے کوئی خاص آزمائش ہوئی ہے
اور میری امت کی خاص آزمائش مال ہے"۔
(ترمذی)

بخاری اور مسلم میں حضرت عمرو ابن عوف رضؓ سے مروی ہے کہ
انہوں نے کہا۔
"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم پر فقر و ناداری
آنے سے نہیں ڈرتا، لیکن مجھے تمہارے بارے میں یہ ڈر ضرور ہے
کہ دنیا تم پر زیادہ وسیع کر دی جائے، جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں
پر وسیع کی گئی تھی، پھر تم اس بات کو بہت زیادہ چاہنے لگو!
جیسے کہ انہوں نے اس کو بہت زیادہ چاہا تھا (اور اس کے
دیوانے اور متوالے ہو گئے تھے) اور پھر وہ تم کو برباد کر دے
جیسے کہ اس نے اگلوں کو برباد کیا"۔

ان چند حوالوں سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ جہاں اسلام نے
کسبِ حلال کو بڑی فضیلت دی ہے وہاں مادہ پرستی اور حرص دنیا کو بھی ملعو
و مبغوض ٹھہرایا ہے وہ یہ نہیں چاہتا کہ اس کے ماننے والے بندۂ درہم و دینا
بن کر رہ جائیں اور ان پر روپے پیسے کی فکر اتنی غالب آجائے کہ وہ آخر
کو پسِ پشت ڈال دیں۔

بادی النظر میں یہ دونوں قسم کے حوالہ جات باہمد گر متناقض نظر آتے ہیں لیکن غور کیا جائے تو آدمی ان سے بآسانی اس نتیجہ پر پہونچ جاتا ہے کہ اسلام "دنیا داری" سے نہیں روکتا (بلکہ امورِ دنیا کو احسن طریقہ پر انجام دینے کی تلقین کرتا ہے) مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کی بھی اجازت نہیں دیتا، کہ انسان ہر جائز و ناجائز ذریعے سے "زر اندوزی" پر کمر باندھ لے، اس کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر آپ اس کی بتائی ہوئی حدود میں رہ کر دنیا کے کام کرتے ہیں تو وہ عین دین بن جاتے ہیں اور ان سے روگردانی کرتے ہیں تو آپ "اخوان الشیاطین" کی صف میں کھڑے ہونے کے لائق ہیں۔

پس نکتۂ اعتدال یہ ہے کہ آپ جائز اور حلال رستوں سے دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں، ان کے حصول کے لئے کوشاں ہوں لیکن ان کی محبت میں اتنے سرمست نہ ہو جائیں کہ آپ کے دل سے آخرت کا خیال ہی نکل جائے۔ دیکھئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کتنی پتے کی بات فرما گئے ہیں۔

"دنیا ہاتھ میں رکھنے کی چیز ہے، جیب میں رکھنے کی چیز ہے۔ لیکن دل میں رکھنے کی چیز نہیں"

کتابیات

اس سلسلۂ مضامین کی ترتیب میں یوں تو میں نے بے شمار کتابوں سے استفادہ کیا ہے، لیکن اصلاً جو کتابیں اس سلسلے میں میری راہنما رہی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مکتوبات	حضرت مجدد الف ثانی رح
۲۔ حجۃ اللہ البالغہ (جلد اوّل)	شاہ ولی اللہ دہلوی رح
۳۔ کیمیائے سعادت	امام غزالی رح
۴۔ تفسیر حقانی	مولانا عبدالحق حقانی رح
۵۔ تفہیم القرآن	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
۶۔ تفسیر ماجدی	مولانا عبدالماجد دریا بادی
۷۔ ترجمان السنۃ (اول دوم سوم)	مولانا بدر عالم میرٹھی رح

۸۔ الانتباہات المفیدہ	مولانا اشرف علی تھانوی رح
۹۔ الکلام	مولانا شبلی نعمانی رح
۱۰۔ الکلام	مولانا ادریس کاندھلوی
۱۱۔ اسلامی تہذیب کے اصول ومبادی	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی
۱۲۔ اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی	اقبال رح

مطبوعات ایوان

سیرت پاک ۔ محمد بشیر شارق دہلوی ۳/-

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ایک جامع کتاب

سیرت عائشہ رضؓ عباس محمود العقاد ۔ جلال الدین سیوطیؒ ۳/۵۰

ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ کی سیرت و فضائل، جدید انداز میں

اسلام زندہ باد عبدالمجید قرشیؒ ۲/-

غیر مسلموں کے قبول اسلام کے پُر اثر واقعات

مطالعہ اسلامیات حسن واصف عثمانی ۳/۵۰

اسلام کی تیرہ سو سالہ تاریخ اور اس کے اہم اجزاء کا جائزہ۔ اہل فکر کے مطالعہ کے لئے۔

اورنگ زیب عالمگیرؒ پر ایک نظر۔ علامہ شبلی نعمانیؒ ۲/-

عالمگیرؒ پر اعتراضات اور ان کے جوابات ہندوستان کی پہلی تاریخی تحقیق، ایک مدلل کتاب

ائمہ تلبیس۔ یا غار تگران ایمان مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری ۱۵/-

عہد رسالت سے لیکر آج تک الوہیت نبوت، مسیحیت، مہدویت اور اس قسم کے جھوٹے دعوے کر کے ملت حنیفی میں رخنہ اندازیاں کرنے والوں کے حالات و واقعات، اپنی نوعیت کی واحد کتاب ضرور مطالعہ فرمائیں۔

خط و کتابت کا پتہ:۔ **ایوان کمپنی۔ ناشر و تاجر کتب** ۶۰۰ نخاس کہنہ الہ آباد ۲۱۱۰۰۳

72 F

Title : Un Dekhi Haqiqaten
Author : Maulana Kausar Niazi
Price : Rs. 3/-